

جاسوسی دنیا نمبر 14

تجویری کا گیت

(مکمل ناول)

تعاقب

شہر کے باہر سمنان اور تاریک سڑک پر ایک شاندار اور قیمتی کار انڈھیرے کا سیند چیرتی ہوئی کسی نامعلوم منزل کی طرف جا رہی تھی۔ گیارہ نجٹے چکے تھے۔ آسمان پر گرد و غبار نہ ہونے کی وجہ سے ستاروں کی مدد حم روشنی اور انڈھیرے کے اختراج نے ایک پر اسرار فضائیہ اکرو دی تھی۔ دفلتا کار ایک جگہ رک گئی۔ پھر اسے سڑک کے کنارے اُگی ہوئی قدر آدم جہازیوں میں اتارتہ دیا گیا اور دوسرے ہی لمحے میں دو آدمی کار سے اتر کر سڑک کے کنارے آگھڑے ہوئے ان میں سے ایک اپنے کاندھ پر ایک موٹی سی رسی کا بندل لادے ہوئے تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے سڑک کے آر پار دور ختوں میں اس طرح رسی باندھ دی چیزے وہ کسی کار استر روکنا چاہتے ہوں۔ اس کام میں فراغت پانے کے بعد وہ پھر جہازیوں میں آئیشے۔

”آخر یہ اتنی دردسری کیوں!“ ان میں سے ایک بولا۔

”اسے دردسری نہ کہو، وہ بڑا خطرناک آدمی ہے۔“ دوسرے نے جواب دیا۔

”یہ تم اسی لوٹے کے لئے کہہ رہے ہوئے ہیں تم نے کل دکھایا تھا۔“

”اتنی لاپرواںی سے اس کا تذکرہ نہ کرو۔“

”چھوڑو بھی تم نے خود خواہ اسے ہوا بنا رکھا ہے۔“

”خیر بھی! مجھے تو اس وقت بھی یقین نہیں کہ ہم اسے پکڑی لیں گے۔“

”یار تم خواہ تجوہ مجھے تاؤ نہ دلاو۔ وہ بھی ہماری طرح آدمی ہے۔ بھوت نہیں۔“

”میں اسے بھوت ہی سمجھتا ہوں۔“

”تم بزدل ہو۔“

”کیا کہا!“ دوسرا شخص مجھے میں بولا۔

”خیر... خیر... اس وقت ہمیں آپس میں سکرار نہ کرنی چاہئے۔“

”وسرے نے کوئی جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔

”اب تک اسے یہاں پہنچ جانا چاہئے تھا۔ وہ ہمارے سامنے ہی روائے ہو چکا تھا۔“ دوسرا نے

کہا۔

”ممکن ہے راستے میں کہیں رک گیا ہو۔ ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر اسے اتنی اہمیت کیوں دی جائی ہے۔“

”ہم جانتے ہیں کہ وہ اس معاملے میں ناٹک ضرور اڑائے گا اور بھی نہیں ہمیں یہاں بہت کچھ کرتا ہے پولیس کی طرف سے تو اطمینان ہے وہ ہمارا کچھ نہ بگاؤ سکے گی۔ لیکن وہ بڑا ذہن ہے اور سب سے بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ وہ ایک اخبار کا پورٹر بھی ہے۔ پس ذرا سا اشارہ مل جانا چاہئے اس کے بعد تو وہ ہماری پوری اسکیمیں اتنی وضاحت کے ساتھ چھاپ دیتا ہے جیسے وہ بھی مشوروں میں شریک رہا ہو۔“

”تو اس کا خاتمہ ہی کیوں نہ کر دیا جائے۔“

”آنچ تک اس کا موقعہ ہی نصیب نہیں ہوا۔“

”کیا حماقت کی باتیں کر رہے ہو۔ کیا ہم اس وقت اسے ٹھکانے نہیں لگا سکتے۔“

”مگر ہمیں اس کا حکم کہاں ملا ہے؟ ہمیں تو پکڑ کر لے جانا ہے۔“

”اس میں نہ جانے کون سی مصلحت ہے جب وہ ایسا آدمی ہے تو اسے ختم ہی کر دینا چاہئے۔“

”بات یہ نہیں! اسے پولیس سے ہمدردی نہیں ہے وہ محض روپیہ اشیخنے کے لئے شریف آدمیوں کے کام میں روزے انکلایا کرتا ہے۔ یعنی ادھر سے بھی ہاتھ گرم کرتا ہے اور ادھر سے بھی میرا خیال ہے کہ اس سے معاملے کے متعلق کسی قسم کا سمجھوئہ کیا جائے گا۔“

”تو کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ راضی ہو جائے گا۔“

”چھوڑو بھی ہمیں اس سے کیا غرض۔ ہمارے ذمے جو کام ہے ہمیں اسے کرنا چاہئے۔“

اس کے بعد پھر خاموشی چھا گئی۔ جگل کے ننانے میں جھیگروں کی آوازیں اُسی معلوم ہو رہی تھیں جیسے وقت نے اپنی عظیم تہائی سے اتنا کر کوئی گیت چھین دیا ہو۔
 ”لیکن انور پولیس والوں سے کس طرح روپیہ ایشنا ہے۔“ ایک نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔
 ”ان کے راز افشا کر دینے کی دھمکی دے کر وہ یہاں کے سارے پولیس آفسروں کی کمزوریوں سے اچھی طرح واقف ہے۔“

”اس کے ساتھ کوئی لڑکی بھی تو رہتی ہے۔“

”ہاں اس کا نام رشیدہ ہے وہ بھی کم نہیں۔ بس یہ سمجھ لو کہ یہ دونوں ہم جیسے شریف اُدمیوں کے لئے ہمیشہ درود سربنے رہتے ہیں۔“
 ”وہ لڑکی خوبصورت بھی کافی ہے۔“

”اوہ تو کیا اس پر عاشق ہونے کا ارادہ ہے۔“

”میں عاشق نہیں ہوا کرتا۔ میرا اصول تو تم جانتے ہی ہو۔“
 دونوں معنی خیز انداز میں ہٹنے لگے۔

”مگر یا راتنایا درکھوکہ وہ بھڑوں کا جھٹت ہے۔“

”ہونہے..... بہت دیکھی ہیں۔ صوبیدار تاجر صاحب کی لڑکی سے زیادہ خطرناک نہ ہو گی۔“
 ”خیر ہٹاؤ میں بحث کرنا نہیں چاہتا۔“

”اوہ سنو! آواز آرہی ہے۔ موڑ سائکل کی آواز۔ تم دوسری طرف چلے جاؤ۔“
 ایک اٹھ کر سڑک کے دوسرے کنارے پر چلا گیا۔

دوار موڑ سائکل کی ہیئت لا نہیں دکھائی دے رہی تھی اور جگل مشین کی کرخت آواز سے گونج رہا تھا۔ روشنی سڑک پر پھیل رہی تھی۔ اچانک موڑ سائکل رک گئی۔ شاید انور نے سڑک پر تھی ہوئی رسی دیکھ لی تھی۔ قمل اسکے کہ وہ موڑ سائکل کو موڑتا یہ دونوں اسکے قریب پہنچ گئے۔
 ”خبردار..... مشین بند کر دو۔“ ایک نے تھکمانہ لبھ میں کہا۔

انور نے مشین بند کر دی اور دونوں بیرونیے موڑ سائکل پر ہی بیٹھا رہا۔

”اگر تم نے ذرہ برابر بھی حرکت کی تو گولی تمہارا بھیجا الڑا دے گی۔“ دوسرے بولا۔
 انور پچھوں کی طرح کھل کھلا کر پنس پڑا۔

”یار کیوں ڈراتے ہو اس اندر ہے جگل میں۔“ انور نے کہا۔ ”میرے جیب میں ڈھانی روپے اور نرگس کی تصویر کے علاوہ کچھ اور نہیں چاہو تو روپے لے لو۔ لیکن نرگس کی تصویر ہرگز

نہ دوں گا۔ کیونکہ وہ والد صاحب کو بہت پسند ہے۔“

ان میں سے ایک بے ساختہ خس پڑا۔ لیکن دوسرا غرما کر بولا۔ ”بکواس بند کرو۔ ہمارے ساتھ چلو۔“

میں اس چھوٹی سی گاڑی پر دو آدمیوں کو کس طرح ادا سکوں گا۔ اگر چالان ہو گیا تو ”انور تشویش ظاہر کرنا ہوا بولا۔

”گاڑی چھوڑ کر ہٹ آؤ۔“

انور نے موڑ سائکل کنارے کھڑی کر دی اور ان کے قریب آگیا۔

”اس کے ہاتھ پیر باندھ دو....!“ ایک نے دوسرے سے کہا۔

”ٹھہر دو....!“ انور بولا۔ ”آخر تم چاہتے کیا ہو۔“

”تمہیں ہمارے ساتھ چلانا ہو گا۔“

”تو پھر ہاتھ پیر باندھنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے تمہارے ساتھ چلنے سے انکار تو نہیں کیا۔“ انور نہایت سخیگی سے بولا۔

”تم بڑے مکار ہو۔“

”بد تیز....!“ انور تنگ بھج میں بولا۔ ”تمہیں بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں۔“

”باندھ لو اسے۔“ وہ گرج کر بولا۔

ایک آدمی جیب سے ایک پتی سی ڈور نکال کر انور کی طرف بڑھا۔ انور نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔ ”اتنایار کو کہ میں گن گن کر بدله چکانے کا عادی ہوں۔“ انور نے آہستہ سے کہا۔ اس شخص نے جو اس کے ہاتھ باندھنے جا رہا تھا اس کے اس جھٹے پر طفر آمیز مسکراہٹ کے ساتھ تھپکہ لگایا جیسے ہی وہ ڈوری لے کر آگے کی طرف جھکا۔ انور نے اپنے دابنے پیر کا گھٹانا اٹھا دیا اور دوسرے ہی لمحے میں وہ جیکر پیچے کھڑے ہوئے ساتھی پر جا پڑا۔ انور ایک ہی جست میں جھاڑیوں کے پیچے غالب ہو چکا تھا۔

دونوں انٹھ کر اس کے پیچے لے لے۔

”دیکھ لیا تم نے۔“ ان میں سے ایک نے جلا کر کہا۔

”خدا کی قسم زندہ نہ چھوڑوں گا۔“ چوتھا ہوئے آدمی نے غصیل آواز میں کہا اور لٹکڑا تھا، جو جھاڑیوں میں دوڑنے لگا۔ لیکن شاید ابھی اس کی شامت اچھی طرح نہیں آئی تھی وہ بے تھاش جھاڑیوں میں گھٹتا پھر رہا تھا۔ اس کا ساتھی اس کے پیچے تھا۔

"میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" وہ ایک بار پھر اپنے غصے کا انظہر کری رہا تھا کہ دفعہ ایک برا سا پھر اس کی پیشانی پر پڑا اور وہ جن مار کر الٹ گیا۔ اس کا ساتھی پبلے تو اس کی طرف چھنا لیکن پھر خوفزدہ ہو کر اسی کے ساتھ زمین پر لیٹ گیا۔ وہ اپنی سانس روکے آہٹ لے رہا تھا۔ تحوڑی دیر بعد موڑ سائکل اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور پھر سنانا چھا گیا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ تحوڑی دیر تک خوفزدہ نظروں سے باہر اُودھِ دیکھتا رہا پھر اپنے بے ہوش ساتھی کی طرف متوجہ ہوا جس کی پیشانی سے خون بہہ بہہ کر چہرے پر پھیل گیا تھا۔ اس نے اسے کانہ سے پر اخھلایا اور جھاڑیوں سے نکل کر سڑک پر آگیا۔ چاروں طرف لاٹتائی سناتا جا ری تھا وہ کسی نہ کسی طرح اپنے بے ہوش ساتھی کو کار تک لے آیا۔ جھاڑیوں سے کار سڑک پر نکالی۔ کار کا رخ شہر کی بجائے دبئی علاقے کی طرف تھا، جیسے ہی کار سڑک پر مڑی انور جھاڑیوں سے نکل کر پہچھے چل کر یہ پر بیٹھ گیا۔ تحوڑی دیر بعد کار فرانے بھرنے لگی۔

تقریباً پانچ یا چھ میل کا فاصلہ میں کار کے کرنے کے بعد کار ایک اھامیت کے پھانک پر رک گئی۔ کار ذرا سوچ کرنے والے نے اپنے بیویش ساتھی کو پھر کانہ سے پر لادا اور اھامیت کا پھانک کھول کر اندر چلا گیا۔

انور آہستہ سے چل کر یہر سے اتر اور کار میں بیٹھا۔۔۔ اس نے بڑی پھرتی سے انجمن اسٹارٹ کر کے گاڑی شہر کی طرف گھمادی اور دیکھتے ہی دیکھتے احاطہ میلوں پہنچپڑ رہ گیا۔ وہ اتنی سمجھدگی سے بیٹھا کار ڈرائیور کر رہا تھا جیسے وہ خود اس کی اپنی کار ہو۔ اس کے ہونٹوں پر شراست آمیز سکر اہٹ رقص کر رہی تھی۔

انور کے کردار میں یہ عجیب و غریب بات تھی کہ وہ کسی کو معاف کرنا تو جانتا ہی نہیں تھا۔ اس کا قلفہ حیات انتقام تھا۔ اس کا قول تھا کہ زندگی کا انحصار صرف انتقام پر ہے۔ نظام فطرت کی اصل بنیاد انتقام ہی ہے جسے دنیا والوں نے مختلف نام دے رکھے ہیں۔ بہر حال اس وقت اس نے محض اپنی انتقامی اپرٹ کے تحت یہ دیکھنے اور سمجھنے کی زحمت گوارانہ کی کہ اس پر حملہ کرنے والے کوں تھے اور وہ اسے کہاں اور کیوں لے جائا چاہئے تھے۔ بس وہ ان کی قسمی کار لے جائا اور جنگی اسی جگہ پہنچ کر جہاں ان لوگوں نے اُسے روکنے کے لئے سڑک پر رہی تھیں تھیں کار کھڑی کر دی کر اس نے ایک برا سا پھر اخھلایا اور ہیئت لائیجیٹ کے شیشے چکننا چور کر دیئے اور واپس لوٹنے کی تیاری کرنے لگا۔ لیکن وہ اپنی اس انتقامی کار والی سے مطلب من نہیں تھا اچانک اسے ایک اور تدیر سوچ ہی اس نے پڑوں کی نیلگی کھول کر اس میں دیساں گی دکھادی اور دیکھتے ہی دیکھتے ہی سوچی اس نے پوری کار کو

اپنے زندگی میں لے لیا۔ اور کے ہو توں پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

پھر وہ تیزی سے جھاڑیوں میں گھس گیا۔ اس کی موڑ سائیکل ایک طرف کھڑی تھی۔ چنانچہ چند لمحوں میں وہ تیزی سے شہر کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے وہ ری بھی نہیں کھولی تھی۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ ری کھولے دیتا ہے تو پولیس والے کافی دردسری سے بچ جائیں گے۔ وہ دل ہی دل میں بھی رہا تھا کیونکہ اس نے سراغِ رسانی والوں کے لئے ایک اچھا خاصاً معبد مہیا کر دیا تھا۔ کل انسپکٹر آصف کی یو کھلاہٹ قابل دید ہو گی۔ پھر اچاک وہ چوک مک پڑا۔ آخر وہ لوگ تھے کون اور اسے کہاں لے جانا چاہتے تھے۔ لیکن اب اس کے متعلق سوچنا ہی بیکار تھا اور پھر وہ اس واقعے کو ہر طرح اپنے ذہن سے نکال دینے کی کوشش کرنے لگا جیسے اس کی کوئی اہمیت نہ ہو۔

وہ بہت زیادہ دور انگلی کا قائل نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ دنیا کے بڑے سے بڑے حادثے کا مقابلہ صرف حاضرِ دنگی سے کیا جاسکتا ہے۔ منطقی دلائل اور دور انگلی قطعی فضول چیزیں ہیں۔ دور انگلی کا غلط راستے پر بھی لے جاسکتی ہے کیونکہ دور انگلی کا تعلق مستقبل سے ہے اور مستقبل اندر ہیرے میں گم ہے۔ منطقی دلائل میں تفہیم کی بنیادی غلطی کے امکانات بھی ہو سکتے ہیں۔ لہذا جب بنیادی غلط ہو گی تو اس کیلئے دلائل اور جواہر کیلئے سرماد ہاوی اگلی کے علاوہ کچھ نہیں۔ اسی نظریے کے تحت وہ ذہن کی ایسی تربیت کا حامی تھا جو انسان کو پیش آنے والے حادثات سے بچا طور پر نجات دلائے۔ اس تربیت کو اس نے حاضرِ دنگی کا نام دے رکھا تھا۔

وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ وہ شخص جو حاضرِ دنگی نہ ہو اسے زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ وہ اسی طرح زندہ رہتا ہے جیسے تپ دن کا مریض ناکارہ اور بے کار۔

اس کے خیال کے مطابق پوری زندگی عظیم الشان مقابلہ تھی جس میں انسان آگے بھی بڑھ سکتا ہے اور دوڑنے والوں کے بیرون تسلی رومندا بھی جاسکتا ہے۔

تقریباً ڈریڈ بجے وہ گھر پہنچا۔ فلیٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ کمرے کی روشنی بازی پر پھیلی ہوئی تھی۔ اور کو تجھ ہوا کہ اس وقت اس کے کمرے میں اس کی عدم موجودگی میں کون بیٹھا ہوا تھا۔ پہلے اسے خیال آیا کہ ممکن ہے رشیدہ ہو۔ لیکن پھر اس نے سوچا کہ وہ کب کنی سوگنی ہو گی اور پھر فلیٹ کی سمجھی خود اس کے پاس تھی۔ رشیدہ نے کمرہ کیسے کھول لیا۔ اس نے برابر والے فلیٹ کی کھڑکی سے جھاٹک کر دیکھا تو اندر نیلی روشنی دکھائی دی، جو اس بات پر دلالت کر رہی تھی کہ رشیدہ سوری ہے.... وہ بہت اختیاط سے اپنے فلیٹ میں داخل ہوا۔ اس کے لکھنے کی میز پر.... اس کی طرف پشت کے ہوئے کوئی بیٹھا نہیاں تھا۔ اور کے پکھے پڑھ رہا تھا۔ اور کے داخل ہوتے

تھی وہ مڑا اور اس کے ہوتیوں پر سکراہٹ چیل گئی اس کا اندازہ پچھے اتنا پہ اطمینان تھا جیسے وہ اپنے ہی کمرے میں کسی مہمان کا استقبال کر رہا ہو۔ انور نے بھی اپنی عادت کے مطابق ذرہ برابر حیرت کا اعلیٰ ہمار نہیں کیا۔

یہ ایک طویل القامت اور جاذب توجہ شخصیت کا آدمی تھا۔ چہرے پر سیاہ رنگ کی گھنی ڈاڑھی تھی جس کے متعلق انور نے فور آہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ مصنوعی ہے۔ آنکھوں پر سرمنی رنگ کے شیشوں کا چشمہ تھا جس سے آنکھیں تقریباً چھپ گئی تھیں۔

” غالباً میں انور صاحب سے ملنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔“ اس نے انتہائی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

” کیا مطلب....!“ انور ایک قدم پیچھے ہٹ کر گمراہے ہوئے لجھے میں بولا۔ ” تو کیا آپ.... میں خود انور صاحب کی تلاش میں آیا ہوں۔ کیا یہ ان کا مکان نہیں معاف کیجئے گا۔“ انور جانے کے لئے مڑا۔

” نہ ہو....!“ اجنبی درشت لجھے میں بولا۔

انور کر کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

” میں جانتا ہوں کہ تم بہت ٹھر آدمی ہو۔“ اجنبی اٹھتا ہوا بولا۔ ” لیکن تم ہر ایک کوہے وقوف نہیں بنا سکتے۔“

” میں تم سے ہر گز نہیں پوچھوں گا کہ تم کون ہو۔“ انور بے پرواہی سے بولا۔ ” خیریت اکی میں ہے کہ تم چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔ میں یہ بھی نہیں پوچھتا چاہتا کہ تم نے میرے قلیٹ کا تالا کیوں توڑا۔“

” یہ غلط ہے۔ میں نے قلیٹ کا تالا ہرگز نہیں توڑا۔“ اجنبی نے ہاتھوں گوار لجھے میں کہا۔ ” تمہاری دوست روشنیدہ مجھے یہاں بخا کر چلی گئی ہے۔ غالباً وہ سوتے اٹھی تھی۔“

” خیر.... خیر....!“ انور بیٹھتا ہوا بولا۔ ” یہ شریف آدمیوں کے ملنے کا وقت نہیں۔“ ” اچھا تو تم خود کو شریف سمجھتے ہو۔“ اجنبی سکرا کر بولا۔

” نہیں میں تمہاری شان میں قصیدہ پڑھ رہا تھا۔“ انور بیڑا ری سے بولا۔

” خیر.... ہٹاؤ ہٹاؤ.... ان باتوں کو.... تم نے ہماری ایک اچھی خاصی کا ربر باد کر دی۔“ ” اور جو میرا اچھا خاصا وقت بر باد کیا تھا۔“ انور نے کہا۔ ” لیکن میں تم سے ہرگز یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم کون ہو اور مجھے کیوں پکڑوانا چاہتے تھے۔“

"تم اتنے دلیر نہیں ہو جتنا ظاہر کرتے ہو۔" اجنبی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"میں تم سے اس کے لئے کوئی سرٹیکلیٹ نہیں چاہتا۔" انور خنگ لبھ میں بولا۔

"پھر فضول باتیں چھڑ گئیں۔" اجنبی نے کہا۔ "میں تم سے ایک سمجھوتہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"لیا اسی وقت...!" انور نے کہا۔ "نہیں اب مجھے سوچانا چاہئے۔"

"تو کیا میں اس وقت یہاں جھک مارنے آیا ہوں۔" اجنبی جھلا کر بولا۔

"میں خود یہی سوچ رہا تھا۔"

"و یکھو انور...!" وہ تیز لبھ میں بولا۔ "یہ دارا ب کی خواہش ہے کہ تم اس سے سمجھوتہ کرو۔"

"کون دارا ب...!" انور طنزیہ لبھ میں بولا۔ "وہی بزدل، جو کسی جاسوسی ناول کے ڈاکو کی طرح اپنی شخصیت کو نہ اسرار بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں حق کہتا ہوں کہ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں وہ کوئی بہت ہی معمولی آدمی کی جاسوسی ناولیں پڑھ پڑھ کر ڈاکو بنتا ہے! میں اسے اتنی اہمیت نہیں دیتا کہ اس سے کسی قسم کا سمجھوتہ کروں۔ پولیس اس سے سمجھتی رہے گی۔ میں شیر کی کھال میں چھپی ہوئی لوہ مزیوں کو خوب پیچا سنا ہوں۔"

اجنبی مسکرا تاہا۔ وہ شرارت آمیز نظروں سے انور کی طرف دلکھ رہا تھا۔

"تم دارا ب کو اچھی طرح سمجھ نہیں سکے۔"

"میں نے خوب اچھی طرح سمجھ لیا۔" انور بیزاری سے منہ بناتا ہوا بولا۔ "اگر وہ واقعی عقائد ہوتا تو ایسے ناکارہ آدمیوں کو میرے پکلنے کے لئے نہ بھیجنتا۔"

"لیکن اتنا یاد رکھو کہ وہ خود بہت خطرناک ہے۔"

"ہو گا! مجھے اس سے کیا؟"

"خیر چھوڑو۔ ہم پھر بہک گئے۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔ "دارا ب دراصل یہ چاہتا ہے کہ تم اس کے معاملات میں دخل نہ دو۔"

•
"میں خواہ خواہ کسی کے معاملات میں دخل نہیں دیتا۔"

"لیکن تم ایک معاملے میں دخل دینے پر مجبور ہو جاؤ گے۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر دنیا کی کوئی قوت مجھے اس سے باز نہ رکھ سکے گی۔"

"اس سمجھوتے کے سلسلے میں تم جتنی رقم چاہو طلب کر سکتے ہو۔" اجنبی اُس کی بات پر دھیان دیئے بغیر بولا۔

"شش...!" انور سنجیدگی سے بولا۔ "اس قسم کی رقبیں صرف ان مجرموں سے وصول

کرتا ہوں جو خود کو قانون کا محافظ کہتے ہیں۔“

”جانتے ہو تمہاری ضد کا کیا انجام ہو گا۔“ وہ انور کو تیز نظر وہ سے گھورتا ہوا بولا۔

”موت....!“ انور مسکرا کر بولا۔ ”اور میں عمر سے سے اس کی جلاش میں ہوں۔“

”تم ابھی بچے ہو۔“ اجنبی بزرگانہ انداز میں بولا۔ ”تم جیسے لوگوں کے لئے داراب اچاک موت نہیں پسند کرے گا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ تمہاری زندگی کو جہنم ضرور بنا دے گا۔“

”تو میں زندگی کو جنت کب سمجھتا ہوں۔“

اجنبی خاموش ہو کر اسے گھورنے لگا۔

”تو بہر حال تم انکار کر رہے ہو۔“ وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

”قطیعی....!“

”تم شاید حق داراب کو معمولی سمجھتے ہو۔“ اجنبی اٹھتا ہوا بولا۔ ”خیر اگر تم داراب کی قوت کا اندازہ لگانا چاہئے ہو تو کل شام کو پلازا تھیز ضرور جانتا۔“

”اگر تم چیلنج کر رہے ہو تو ضرور آؤں گا۔“ انور مسکرا کر بولا۔

”یہ چیلنج نہیں بلکہ دعوت ہے۔“ اجنبی نے مصافی کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ اس کے جانے کے بعد انور روشنی گل کر کے سونے کے کمرے میں چلا گیا۔

نئی مصلحت

دوسرے دن صبح انور اپنے نشت کے کمرے میں کوئی چیز جلاش کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے رشیدہ کو پے در پے آوازیں دینا شروع کیں۔

”کیا ہے۔“ رشیدہ کمرے میں داخل ہو کر جلائے ہوئے بجھ میں بولی۔

”میری ڈائری۔“

”میں کیا جانوں۔“

”یہیں تو تھی۔“

”رہی ہو گی۔ میں کوئی ٹھیکیدار ہوں۔“ رشیدہ تھک کر بولی۔

”اے رشیدہ۔“

"اے انور....!"

"میں تمہارے کان اکھاڑ دوں گا۔"

"میں تمہاری ناک اکھاڑ دوں گی۔"

انور خاموش ہو کر اُسے گھورنے لگا۔

"تم نے رات میرا کرہ کیسے کھولا تھا۔" انور نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"کنجی سے۔"

"مگر کنجی تو میرے پاس تھی۔"

"میں ہمیشہ تمہارے فلیٹ کی ایک کنجی اپنے پاس رکھتی ہوں۔"

"لیکن تم نے رات کرہ کھولا ہی کیوں تھا۔"

"نہ کھولتی تو کیا اپنی نیند خراب کرتی۔ وہ ازیل ٹوٹھا کون۔"

"تمہارے سالے زاد بنا کا پچا۔" انور ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "میں پوچھتا ہوں تم نے کرہ کیوں کھولا تھا۔"

"وہ کہہ رہا تھا کہ میں بار بے پر بیٹھ کر انتظار کروں گا۔ میں کبھی کہ کوئی خاص آدمی ہے اس لئے میں نے کرہ کھول دیا۔"

"میرے صندوق سے پانچ ہزار روپے غائب ہو گئے ہیں۔ اس کی ذمہ دار تم ہو۔"

"پانچ ہزار....!" رشیدہ قبیلہ لگا کر بولی۔ کبھی خواب میں بھی دیکھتے تھے۔

"چپ رہو۔" انور تیز لپجھ میں بولا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ کسی دن تمہاری ہی وجہ سے میری گردان کٹ جائے گی۔"

"مجھے اس دن بڑی خوشی ہو گی۔ آخر بتاتے کیوں نہیں کہ کیا بات ہوئی۔"

"بیٹھ جاؤ۔" انور کری کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

رشیدہ بیٹھ گئی۔ انور کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

"بھی ابھی دفتر بھی جاتا ہے۔" رشیدہ اکتا کر بولی۔

"ہوں....!" انور اُسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ "میں کسی نئے حادثے کے لئے تیار رہتا چاہئے۔ میری ڈائری کا اس طرح غائب ہو جانا کسی نئی مصیبت کا پیش خیس معلوم ہوتا ہے۔"

"پھر انور نے اُسے گذشتہ رات کے سارے واقعات بتا دیے۔"

"اور تم نے وہ کارچی جگ جلا دیا۔" رشیدہ نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.... اور مجھے افسوس ہے کہ میں اس کے دوسرے ساتھی کو بھی زخمی نہ کر سکا۔"
"تم بعض اوقات حقیقی بالکل جنگلی ہو جاتے ہو۔" رشیدہ نے کہا۔

"میں نے تمہیں یہ دافعہ اس لئے نہیں بتایا کہ تم اخلاقیات پر ایک پچھر دے ڈالو۔"
انور نے بیزاری سے کہا۔ "کہنے کا یہ مطلب ہے کہ ذرا ہوشیاری سے رہنا۔"
"تو کیا حقیقی تم داراب سے الجھنے کا رادا درکھتے ہو۔"

"ہاں میں نے اس کا تجھیہ کر لیا ہے اگر میری ذرا اتری غائب نہ ہوئی ہوتی....!"
"تو کیا ذرا اتری وہی لے گیا ہے، جو کل رات کو آیا تھا؟" رشیدہ نے پوچھا۔
"میں بھی سوچنے پر مجبور ہوں۔"

"میری رائے ہے کہ تم اس جھگڑے میں مت پڑو۔" رشیدہ نے کہا۔
"میں تم سے رائے نہیں طلب کر رہا ہوں۔" انور خلک لجھے میں بولا۔
"اچھا یہ بتاؤ کہ داراب وہی تھا جو کل رات کو آیا تھا۔"

"میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اس نے نہایت عجیب و غریب طریقوں سے شہر میں وارد ائم کی ہیں۔ ممکنہ سراغ غرسانی والوں کے پاس اس کا کوئی ریکارڈ نہیں۔ میرا خیال ہے کہ خود اس کے گروہ سے تعلق رکھنے والوں کو بھی اس کا علم نہ ہو گا کہ داراب کون ہے۔"

"آدمی خطرناک معلوم ہوتا ہے۔" رشیدہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "خبرداروں میں بھی اس کا مذکورہ رہتا ہے۔"

"انتا خطرناک بھی نہیں جتنا ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ اس طرح اپنی پلٹنی کر رہا ہے.... خود کو ہوابہ نے کی کوشش میں مشغول ہے۔ یہ طریقہ بہت دلچسپ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کچھ دنوں کے بعد پولیس والے اس سے خوف کھانے لگیں گے۔"

"یکن وہ تمہیں خواہ مخواہ کیوں چھینز رہا ہے۔"

"یہ بھی اس کی ایک چال ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں بھی اس کا سراغ نہ لگا سکوں گا۔ اس لئے اس نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کی دانست میں اگر میں بھی ہاکام رہا تو اس کی دھاک بیٹھ جائے گی۔ اگر اسے مجھے اپنے راستے سے ہٹانا ہی ہوتا تو وہ مجھے قتل کر دیتا۔"
"کیوں قتل کیسے کر دیتا۔"

"ارے یہ بھی کوئی مشکل کام ہے۔ اگر وہ دونوں چاہے تو کل رات ہی کو مجھے ختم کر دیتے۔"

ظاہر ہے کہ وہ قتل سے بچتا نہیں ہے کیونکہ اسی شہر میں کمی ایسے قتل ہوئے ہیں جو اسی کی ذات سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ لہذا یہ قطعی غلط ہے کہ وہ مجھ سے کسی قسم کا سمجھوتہ کرنا چاہتا ہے۔“
”واہ یہ بھی عجیب بات ہے۔“

”بہر حال تمہیں ہر طرح ہوشیار رہنا چاہئے۔ میں نے اس خرگوش کو اس کے اصلی روپ میں ظاہر کرنے کا تھیہ کر لیا ہے۔“

”تم جاؤ اس معاملے میں تو تمہیں شاید کچھ روپیہ بھی نہ مل سکے۔“

”مجھے اس کی پرداہ نہیں۔ میں تو اس چھینٹ چھڑا کا مزہ چکھانا چاہتا ہوں۔“

”اب دیکھو اس جملی ہوئی موڑ کا پولیس کیا اسکنڈل بناتی ہے۔“ رشیدہ نے کہا۔

”آج ان پکڑ آصف کا حلیہ دیکھنے کے قابل ہو گا۔“ انور مسکرا کر بولا۔

”وہ تو سب صحیک ہے۔ لیکن درزی آج پھر تقاضا کر رہا تھا آخر تم اس کو مل کب ادا کرو گے۔“ رشیدہ نے کہا۔

”اوہ... تم واقعی اس وقت بہت حسین معلوم ہو رہی ہو۔“

”میرے پاس اب ایک پائی بھی نہیں ہے۔“ رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

”اس کے باوجود بھی تم آج اچھی لگ رہی ہو۔“

”میں حق کہتی ہوں کہ ایک پیکٹ سگریٹ کے دام بھی نہ نکال سکوں گی۔“

”تب تو پھر مجھے اپنے ہی حسن کی تعریف کرنی پڑے گی۔“ انور بے بُی کا اعلیٰ بار کرتا ہوا بولا۔ رشیدہ نے اس منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

”خیر یہ لو۔“ اس نے سنجیوں کا لپھار شیدہ کی گود میں پھیک دیا۔ ”جا کر نیلے صندوق سے روپے نکال لو۔ درزی کامل بھی ادا کر دینا اور میرے لئے سگریٹ بھی لیتی آتا۔“
”میں نہیں جاتی۔“

”دوڑ جاؤ... شابش....!“ انور نے کہا اور میز پر سے ایک کتاب اٹھا کر پڑھنے لگا۔ رشیدہ منہ بناتی ہوئی چلی گئی۔ انور نے کتاب رکھ کر اخبار کے لئے جاسوسی ناول کی قطع لکھنی شروع کر دی۔ چند لمحوں کے بعد وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ تھوڑی دیر قبل اپنی ڈائری ڈسونڈر رہا تھا۔ وہ تقریباً ایک گھنٹے تک لکھتا رہا۔ اس دوران میں رشیدہ اس کی میز پر سگریٹ کا پیکٹ رکھ کر چلی گئی لیکن اس سے خبر نہ ہوئی۔

”تقریباً، بے کہ وہ پھر آئی۔“

"اے بھی دفتر چنانہ ہے یا نہیں۔"

"اوں....!" انور چوک کر بولا۔ "ضرور ضرور.... اے آج میں نے ناشتہ بھی نہیں کیا.... تم کر چکیں کیا؟"

"دیکھو خواہ مخواہ مجھے غصہ نہ دلاؤ۔ میں کبھی تمہاں ناشتہ کرتی ہوں کہ آج ہی کر لیتی۔"

"چ چ.... تمہیں مجھ سے کہنا چاہئے تھا۔"

"میں تم سے کیا کہا کروں....!" رشیدہ جلا کر بولی۔ "مجھے ذر ہے کہ کسی دن مجھے تم سے یہ بھی نہ کہنا پڑے کہ دیکھو گذے میاں تمہارے منہ سے رال بہر رہی ہے۔"

"میں حق کہتا ہوں رشیدہ نے جانے کیوں تمہارے سامنے پچ بن جانے کو دل چاہا کرتا ہے۔" انور نے کہا۔

"اچھا بس بس بیکار باتیں بند۔" رشیدہ نے تیز لمحہ میں کہا۔ "انٹھ کر کپڑے پہنو۔"

انور نے پسل میز پر چینچ دی اور انٹھ کھڑا ہوا۔

"آج تم نے شیو بھی نہیں کیا۔"

"ہاں بھی، روزانہ شیو کرنے سے ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے۔" انور نے کہا۔

"چہرہ دی فضول باتیں، تمہیں شیو کرنا ہی پڑے گا۔"

"اے تم تو جان کو آجائی ہو۔"

"چلو شیو کرو۔" رشیدہ حکماں لمحہ میں بولی۔

انور منہ سکوڑتا ہوا پسل خانے میں چلا گیا۔ رشیدہ میز پر بکھری ہوئی کتابیں درست کرنے لگی۔

گھر سے نکل کر دونوں نے ایک ریسٹوران میں ناشتہ کیا اور دفتر کی طرف روانہ ہو گئے۔

تقریباً دو بجے وہ دونوں تجھ کیلئے دفتر سے نکل رہے تھے کہ سامنے انکی آصف آتا دکھائی دیا۔

"دیکھا تم نے۔" انور رشیدہ کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھ کر بولا۔

آصف ان دونوں کے قریب آ کر رک گیا۔ وہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ وہ چند

لمحوں تک انور کو خاموشی سے گھورتا رہا پھر اچاک بولا۔

"تم کل رات کہاں تھے۔"

"ایک یتیم خانے کے لئے چندہ اکٹھا کرتا پھر رہا تھا۔" انور نے جواب دیا۔

"اڑنے کی کوشش نہ کرو۔ اس بار تم نبڑی طرح پھنس گئے۔"

"اور میں اچھی طرح کب پھنتا ہوں۔"

"یہ تمہاری ڈائری ہے۔" آصف نے جیب سے ایک چھوٹی سی نوٹ بک نکالتے ہوئے کہا۔
"ویکھوں....!" انور نے ہاتھ بڑھا کر ڈائری اس کے ہاتھ سے لے لی اور اس کے اوراق
اث پلٹ کر دیکھنے لگا۔

"ہاں ہے تو میری ہی۔" انور نے کہا اور ڈائری کو اپنے کوٹ کی اندر ونی جیب میں رکھ لیا۔

"لاڈ لاڈ ڈائری مجھے واپس کر دو۔" آصف جلدی سے بولا۔

"کیوں....!"

"اس کا تعلق ایک کیس سے ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے تم آج زیادہ پی گئے ہو۔" انور نے کہا۔ "ایک تو تم نے یہی جرم کیا کہ اسے
میرے کرے سے چڑالائے اور پھر اب خواہ مخواہ دھونس جانے آتے ہو۔"

"ویکھوں میں کہتا ہوں، ڈائری واپس کر دو۔"

"کیسی ڈائری۔" انور سمجھی دی گئی سے بولا۔ "تم نے اس ماہ میں ابھی تک میرا حق نہیں ادا کیا۔

مجھے سور و پیوں کی سخت ضرورت ہے۔"

"فضول بکواس مت کرو اب مجھ پر اس قسم کی دھونس نہیں پڑ سکتی۔ میں نے وہ قمار خانہ ہی
بند کر دیا جس کی دھمکی دے کر تم مجھ سے روپے وصول کر لیا کرتے تھے۔"

"سن بھائی اسپکٹر صاحب.... اگر تم ایک در بند کرتے ہو تو میں ہزار در رکھوں لیتا ہوں۔
میرے پاس اس کا کافی ثبوت موجود ہے کہ سینٹھ داؤ د بھائی تمہاری دانت میں ہزاروں روپے کے
لوہے کی چور بازاری کر رہا ہے تم نے ابھی حال ہی میں ایک ماخوذ مجرم کو امریکہ کا ویزا دلا کر یہاں
سے نکال دیا ہے۔ اس موقعے کی تصویر یہ تک پیش کر سکتا ہوں جب تم ایک دیہاتی لڑکی کو خریدنے
کے لئے ٹھوک بجا کر دیکھ رہے ہے۔"

آصف گھبرائے ہوئے انداز میں انور کی طرف دیکھنے لگا۔

"اگر کہو تو دو ایک پاتیں اور گنوادوں۔" انور مسکرا کر بولا۔

"تم زیادہ دیر یہ تک اپنی ان حرکتوں کو جاری نہ رکھ سکو گے۔" آصف تغیر آمیز انداز میں بولا۔

"مستقبل کی تو میں جوتے کی نوک کے برابر بھی پروادہ نہیں کرتا۔ مجھے تو آج سور و پیوں کی
ضرورت ہے۔"

"تم مجھ سے اب ایک پاتی بھی نہیں لے سکتے۔" آصف گذرا کر بولا۔

"عجیب حق آدمی ہو یہاں شور مرت مچاؤ۔ چلو کسی ریستوران میں بینچ کر معاملہ طے کر لیں

گے۔ ”انور نے شرات آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

انور، آصف اور رشیدہ ایک ریستوران میں آپتھے۔

”تو تم دوپھر کا کھانا کھائی پچھے ہو گے۔“ انور شرات آمیز لبجھ میں بولا۔

آصف نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن وہ اسے غصہ بھری نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

”خیر چائے تو پیو گے۔“ انور نے کہا اور بیرے کو بلا کر کھانے اور چائے کا آرڈر دیا۔

”جانتے ہو مجھے تمہاری ڈائری کپیاں سے ملی تھی۔“ آصف نے کہا۔

”جانتا ہوں کہ تم کوئی حیرت انگیز جھوٹ بولنے والے ہو۔“ انور نے کہا۔

”جھوٹ.....!“ آصف اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”نبیں بھی بچ.....!“ انور اکتا کر بولا۔ ”کچھ کہو گے بھی۔“

”بھریاں کے سنان علاقے میں رات ایک کار میں آگ لگدی گئی۔“ آصف اسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

”اوے....!“ انور چوک کر بولا۔ ”اچھا اب میں اپنی ڈائری کو منع کر دوں گا۔ اس قسم کی حرکتیں نہ کیا کرے۔“

”انور....!“ آصف کے لبجھ میں بختی آگئی۔

انور سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”کار کو راستے میں رسی حائل کر کے روکا گیا تھا اور پھر اسے توڑ پھوڑ کر اسکیں آگ لگادی گئی۔“

”لیکن پھر میں کیا کروں۔“ انور بولا۔

”اور اس جلی ہوئی کار میں ایک لاش....!“

”لاش....!“ انور چوک کر بولا۔

”ہاں! اور موڑ کے قریب تمہاری ڈائری پڑی پائی گئی ہے۔“

انور ہنسنے لگا اور رشیدہ فکر آمیز انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔ بھلا یہ بھی کوئی ہنسنے کا موقع تھا۔ ایسی حالت میں تو انور کو ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو جانا چاہئے تھا۔ رشیدہ سوچنے لگی کہ آخر انور نے اس لاش کے متعلق کیوں نہیں بتایا تھا اور بچ مجھ یہ بڑی الجھن کی بات ہو گئی کہ وہیں پر انور کی ڈائری بھی پائی گئی۔

”اور کچھ.....!“ انور معنی خیز انداز میں مسکراتا ہوا بولا۔ ”میری چلوں کا پانچھ اور جوتے کا

سوں بھی وہیں ملا ہو گا۔“

"مجھے تمہیں حرست میں لینا پڑے گا۔" آصف نے اسامنہ بنا کر بولا۔

"تمہارے انداز سے حقیقی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تم نے یہ ساری باتیں انتہائی سنجیدگی سے کی ہوں۔" انور نے کہا۔

آصف اسے قہر بھری نکالوں سے گھورنے لگا۔

"اگر تم واقعی یہ سب کچھ سنجیدگی سے کہہ رہے ہو تو پھر وہاں میری ڈائری کا پیلا جانا حقیقی حرثت انگیز ہے۔" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"ڈائری خود بخود تو وہاں پہنچ نہیں سکتی۔" آصف تخت لجھے میں بولا۔

"بیوی میں بھی سوچ رہا ہوں۔" انور آہستہ سے بولا۔ "تو میرا خیال ہے کہ میری ڈائری رات ہی کو کسی نے گھر سے غائب کر دی تھی۔ میں آج ٹھیک اسے حلاش کر رہا تھا۔"

"تو گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ کوئی تمہیں پھانے کی کوشش کر رہا ہے۔" آصف نے کہا۔

"اس کے علاوہ میں اور سوچ ہی کیا سکتا ہوں۔"

"کوئی مجرم آسانی سے اقبال جرم نہیں کر لیتا۔"

" مجرم....!" انور سنجیدگی سے بولا۔ "انور کو اتنی آسانی سے مجرم بنا دینا بھی کھیل نہیں ہے

اپکڑ صاحب۔"

"میں حق کہتا ہوں کہ اس پار تمہاری دھمکیاں کارگر نہ ہو سکیں گی۔" آصف نے کہا "مجھے تم سے ہمدردی ہے تمہاری شرارت پند طبیعت کے باوجود بھی مجھے تم سے اُنس تھا۔ مگر اس بار میں مجبور ہوں۔"

انور نے ایک طنز میں ڈوبا ہوا قہقہہ لگایا۔

آصف دانت پیس رہا تھا۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ اسے خود ہی پھانسی دے دیتا۔

"لااؤ وہ ڈائری مجھے واپس کر دو۔" آصف کڑوے لجھے میں بولا۔

"کسی ڈائری.... کون کی ڈائری؟ خواب تو نہیں دیکھ رہے ہو۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"ان سب باتوں سے کام نہیں چلے گا۔ اس کا اندر ان کاغذات میں ہو چکا ہے۔"

"ہو ایں اُڑ رہے ہو شاید....!" انور سکرا کر بولا۔

"اب مجھے سختی کرنی پڑے گی۔" آصف جھنجھلا کر بولا۔

"میں پولیس والوں سے ہاتھ پائی کرنے کو مکینہ پن سمجھتا ہوں۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"اگر تم سید ہی طرح نہ دو گے تو میں یہیں سب کے سامنے تمہاری جامد حلاشی لوں گا۔"

آصف بولا۔

”شوق سے۔“ انور نے مسکرا کر کہا۔ ”میں سرکاری آدمیوں کے کام میں حارج ہونے کو جرم سمجھتا ہوں۔“

انور اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ آصف نے اس کی جامہ خلاشی لی اور ٹھحال ہو کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اسکے چہرے پر ندامت، غصے اور نفرت نے عجیب طرح کے آثار پیدا کر دیئے تھے۔ ”بس....!“ انور اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ”تم نے بھرے تھے میں خواہ خود میری توہین کی ہے۔ اسے اچھی طرح یاد رکھنا۔“

”میں کہتا ہوں ڈاڑھی....!“

”ڈاڑھی نہیں ڈھری۔ روزانہ تازہ اور خالص دودھ پیا کرو۔ اس سے دماغی توازن درست رہتا ہے۔“ انور نے سنجیدگی سے کہا۔

”بیکار.... فضول.... تم قع نہیں سکو گے۔“ آصف بے بھی سے بولا۔

”تم جیسا احسان فراموش بھی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ تمہارے لئے میں نے کتنے پاپ بیٹلے ہیں۔“ انور نے کہا۔

”وہ اپنی جگہ پر.... اس وقت میں اپنے فرائض کی انجام دیں پر مجبوہ ہوں۔“

”تو میں نے تمہیں کب روکا ہے۔ تم شوق سے مجھے گرفتار کر سکتے ہو۔ مگر میرا جرم....!“

”قلل اور آتش زنی....!“ آصف اُسے گھورتا ہوا بولا۔

”یعنی میں نے ایک آدمی کو قتل کر کے اس کی کار میں آگ لگادی۔“

”اب یہ مجھ سے پوچھ رہے ہو۔“ آصف بیزاری سے بولا۔

”اور پھر میں اس لئے وہاں اپنی ڈاڑھی چھوڑ آیا کہ مر نے والا تمہائی کا احساس کم کرنے کے لئے اس کا مطالعہ کرے۔“

”نہیں وہ جلدی اور مجبراً ابھٹ میں تمہاری جیب سے گر گئی تھی۔“

”خیر.... خیر.... اس بے چارے کی لاش تو جل بھن گئی ہو گی۔ شاید صورت بھی نہ پہچانی جاسکے۔“ انور نے کہا۔

”نہیں بھی توجیہ کی بات ہے کہ اسکے کپڑے تک نہیں جلتے۔“ آصف جلدی سے بولا۔

انور نے قبچہ لگایا اور حقارت آمیز انداز میں آصف کی طرف دیکھنے لگا۔

آصف پھر اس کی حرکت پر جمع جلا اٹھا۔

"تو بہر حال یہ انور کی حرکت ہے۔" انور نے کہا۔

"قطیعی...!" آصف خود اعتمادی کے ساتھ سر ہلا کر بولا۔

"بھلا میں نے اسے قتل کس طرح کیا اور کار میں آگ لگانے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ جب کہ لاش ہی نہ جل سکی۔ آگ لگانے کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ لاش پچانی نہ جاسکے۔ لیکن تم کہتے ہو کہ مقتول کے کپڑے بحکم نہیں جلتے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ کار کے جل جانے کے بعد لاش اس میں ڈالی گئی۔"

"تم آخر کہنا کیا چاہتے ہو۔" آصف نے کہا۔

"یہی کہ تم خواہ خواہ میرے پیچھے پر کر اپنا وقت بردا کرو گے۔"

"یہ تمہارا اپنا خیال ہے۔" آصف بیز اری سے ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

انور اور رشیدہ کھانا کھا چکے تھے۔ اس کے بعد چائے کا دور شروع ہوا جس میں طوعاً و کہنا آصف کو بھی شریک ہوتا پڑا۔

"لاش کس کی ہے۔" انور نے پوچھا۔

"یہ تم مجھ سے بہتر جان سکتے ہو۔" آصف نے کہا۔

"آپ کیوں خواہ خواہ انور کو پچاننے کی کوشش کر رہے ہیں۔" رشیدہ جلا کر بولی۔

"تم انور کو اتنا شریف کیوں سمجھتی ہو۔" آصف مسکرا کر بولا۔

"اس لئے کہ وہ شریفوں کی بنیہ اور حیز تارہتا ہے۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

"تم مت بولو بھی۔" انور رشیدہ کو پیار بھری آنکھوں سے دیکھتا ہوا بولا۔ پھر آصف کو مخاطب کر کے کہا۔ "آخر دہ آدمی ہے کون۔"

آصف نے ایک تصویر نکال کر میز پر ڈال دی۔ انور کو اگر اپنی طبیعت پر قابو نہ ہوتا تو وہ شدت سے چوک پڑا ہوتا۔ رشیدہ بھی انور کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ دیکھ کر سنبھل گئی۔ اسے آصف کے سر کے مل کھڑے ہو جانے پر اتنی حیرت نہ ہوتی جتنی کہ اس تصویر کو دیکھے ہوئے۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" انور نے کہا۔

"وہ تو تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔" آصف نے تصویر کو جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ "میں پھر کہتا ہوں کہ ڈائری مجھے واپس دے دو۔ ورنہ اچھا نہ ہو گا۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" انور جلا کر بولا۔ "جامدہ تلاشی لے چکنے پر بھی تمہاری تشغی نہیں ہوئی۔"

"خیر خیر۔" آصف اٹھتا ہوا بولا۔ "تمہیں جلد ہی اس کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا۔"

انور کے جواب کا انتظار کئے بغیر وہ ریستوران سے چلا گیا۔

رشیدہ حیرت سے انور کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ انور نے آنکھ کے اشادے سے اُسے روک دیا۔

پھر وہ دونوں ریستوران سے نکل کر آفس کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے پھر خاموشی رہی۔ انور محسوس کر رہا تھا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔

آفس پہنچ کر اس نے رشیدہ کو اپنے کمرے میں چلنے کے لئے کہا۔ رشیدہ بہت زیادہ بے چین نظر آرہی تھی۔

"وہ تصویر.... یعنی.... کہ وہ....!" رشیدہ انک کر بولی۔

"اسی آدمی کی تھی جو کل رات کو مجھ سے ملنے آیا تھا۔" انور نے جملہ پورا کر دیا۔
"اور وہی میری ڈائریکٹری بھی لے گیا تھا۔"

"اور ڈائریکٹری کیا ہوئی۔"

"وہ میں نے اُسی وقت ایک زمین دوڑگندے ہالے میں ڈال دی تھی جب آصف کے ساتھ ریستوران جا رہے تھے۔" انور بولا۔

"اُرے....!"

"ہاں اور اب تک پانی کے بہاؤ نے اس کے پر خیپ ازادیے ہوں۔"

اسٹیج کی واردات

"ستونور....!" رشیدہ سمجھدی گی سے بونی۔ "مجھے ایسی زندگی سے پیدا ضرور ہے لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ ہم لوگ قانون کی نظروں میں مجرم ہیں۔"

"وہ تو زبردستی بننا پڑا۔ بھلا اس میں میرا کیا قصور....!"

"تم سب کچھ آصف سے بتائیوں نہیں دیتے۔"

"عورت ہمیشہ عورت ہی رہے گی۔ خواہ وہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر جائے۔ جانتی ہو کہ اس کا کیا انجام ہو گا وہ مستقل طور پر میرے پیچھے پڑ جائے گا۔ لیکن رشیدہ میں نے تمہیں کبھی اس بات پر

بجور نہیں کیا کہ تم ہر معاملے میں میرا ساتھ دیا کرو۔“

”تم غلط سمجھے ہو۔ تمہاری بھلائی کے لئے کہہ رہی تھی۔“

”میں اپنی بھلائی کو عرصہ ہواد فن کرچکا ہوں۔“ انور سخیدگی سے بولا۔ ”میں مریضوں کی طرح زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ دنیا کی بہتی ہوئی دولت میں میرا بھی حصہ ہے۔“

رشیدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموشی سے انور کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔

”میں سمجھتا ہوں کہ تم زندگی کی یکسانیت سے آتا گی ہو۔ تمہارا عورت پن جاگ اٹھا ہے۔ اپنی جنس کی قدرت کے مطابق تمہیں زندگی میں ہر لمحہ تبدیلی بھی چاہئے اور سکون بھی۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم اپنی بچھلی زندگی کی یکسانیت سے آتا کر میری طرف بھلک آئیں تمہیں اور اب پھر اس زندگی میں لوٹ جانا چاہتی ہو۔ مجھے ذرہ برا بر بھی اس کا افسوس نہ ہو گا۔“

”تم نہ جانے کیسی بہکی بہکی باشیں کرو ہے ہو۔“ رشیدہ نے منہ بنا کر کہا۔

”میں وہی کہہ رہا ہوں جو تمہارے دل میں ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے دوست تھے اور رہیں گے لیکن اب ہم دونوں کی راہیں مختلف ہو جانی چاہئیں۔“

”کیوں....؟“

”میں نہیں چاہتا کہ تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچے۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”داراب بہت ہی اوچھی طبیعت کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔“ انور نے کہا۔ ”بہر حال اس سے بھرنا بھی پڑے گا۔“

”میں تمہیں اس کی رائے نہیں دوں گی۔“

”تو میں نے تم سے مشورہ کب مانگا ہے۔“

”جو میں کہوں گی تمہیں وہی کرنا پڑے گا۔“ رشیدہ تیز لمحے میں بولی۔

”فضول بکواس نہیں، جاؤ اپنا کام کرو۔“

”اگر تم نے میرا کہنا شما تو تو....!“

”تم مجھ سے شادی کر لو گی۔“ انور نے جملہ پورا کر دیا۔

رشیدہ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھومنے لگی۔

”میں آصف کو سب کچھ بتا دوں گی۔“

”بتا دو....! میں اسے ایک بڑھا بچہ سمجھتا ہوں۔ اگر میں ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوا ہو تو میری

پہلی اولاد آصف ہی کے برابر ہوتی۔ ”

”ویکھو اس سلسلے کو مذاق میں مت ڈالو۔“ رشیدہ نے کہا۔

”تم یہاں سے جاتی ہو یا کان پکڑ کر نکال دوں۔“

”ویکھو انور میں کسی دن تمہاری کھال اتار دیگی۔“ رشیدہ نے کہا اور پیر پختی ہوئی باہر چلی گئی۔ انور دوسرا دن کے اخبار کے لئے اپنی رپورٹ میں مکمل کرنے لگا۔ رات والے خادوش کو اس نے آصف کے بیان کے مطابق لکھا۔

تحوڑی دیر بعد ایک چڑپا اسی اندر آگر اس کی میز پر ایک لفاف رکھ گیا۔ انور لکھنے میں مشغول تھا۔ کام ختم کرنے کے بعد اس نے لفاف اٹھا کر کھولا..... اس میں پلازا تھیز کے آر کشرا کے دو نکٹ تھے۔ انور کو رات والے پر اسرار اپنی کی دعوت یاد آگئی۔ اس نے اسے آج پلازا تھیز کے شوکی دعوت دی تھی۔ مگر آصف کے بیان کے مطابق وہ قتل کر دیا گیا تھا۔ پھر یہ کیا معنے ہے۔ انور نے سمجھنی بجا کر چڑپا اسی کو اندر بلایا۔

”یہ لفاف کون لا یا تھا۔“

”میں انہیں پہچانتا نہیں۔“

”کوئی قاعدے کا آدمی تھا۔“

”جی ہاں ایک بہت نیس کار پر آئے تھے۔“

”علیہ کیا تھا۔“

”یہاں ڈالا گی۔ رنگ گورا ہاں کے نتھنے کے پاس بڑا سا بھرا ہوا گل تھا۔ سر سمجھی رنگ کا سوت پہنچنے ہوئے تھے۔“

”ہوں.....!“ انور نے اسے جانے کا اشارہ کیا اور کرسی کی پشت سے نکل گیا۔

چڑپا اسی نے جو حلیہ بتایا تھا وہ اسی آدمی کا تھا جس کی تصویر آصف نے اسے دکھائی تھی اور جو پہلی رات کو انور سے اس کے گھر پر ملا تھا۔ انور سوچتا رہا۔ پھر تھوڑی دیر بعد اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ چار بج رہے تھے۔ اس نے سب کاغذات ایڈیٹر کے کرے میں بھجوادیے اور خود اپنے کرے سے نکل آیا۔ دوسرے کرے میں رشیدہ بیٹھی تھا۔ پکڑ کر رہی تھی۔ وہ اس کی پشت پر جھک گیا۔

”اب ختم بھی کر دیے سلسلہ، کیا گھر نہیں چلتا ہے۔“ انور نے آہستہ سے کہا۔

”نہیں میرا راستہ الگ ہے۔“ رشیدہ نے سر اٹھائے بغیر کہا۔

"یعنی آج دوسرے راستے سے گھر جاؤ گی۔"

"تم سے مطلب....!"

"نہیں مجھ سے کوئی مطلب نہیں۔" انور منہ سکونٹ کر بولا۔ "میں تو اس لئے کہہ رہا تھا کہ تمہیں خواہ مخواہ کوئی سواری کرنی پڑے گی۔"

اور پھر انور اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر آفس سے چلا آیا۔ اپنی موڑ سائیکل نکالی اور سیدھا کو تو ای کی طرف روانہ ہو گیا۔ لیکن اُسے اس بات پر حیرت ہوئی کہ کو تو ای میں کسی نے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی۔

آصف کو تو ای میں موجود تھا۔ انور کو دیکھتے ہی جھلا گیا۔

"اگر ای بیہاں کیوں آئے ہو۔"

"تمہیں بُد سے یہ پوچھنے کا حق نہیں، میں ایک اخبار کا کرامم روپرٹر ہوں اور اس کے لئے باقاعدہ لائنمن رکھتا ہوں۔" انور مسکرا کر بولا۔

"بہت اچھا بیہاں یہ مشورہ ہی ہو رہا تھا کہ تمہیں شبے میں گرفتار کر لیا جائے۔" آصف نے کہا۔ "میں گرفتار ہی ہونے کے لئے آیا ہوں۔" انور نے طنزیہ لمحے میں کہا۔ "میں ذرا وہ صورتیں دیکھتا چاہتا ہوں جو میری گرفتاری کے متعلق مشورہ کر رہی تھیں۔"

"دیکھو برخوردار یہ انگلینڈ کی پولیس نہیں ہے۔ بیہاں اقبال جرم کرانے کا جو طریقہ برناجا تا ہے اس سے تم واقف ہو۔" آصف نے کہا۔

"میں اچھی طرح جانتا ہوں آصف صاحب! ذرا وہ طریقہ اختیار کر کے دیکھئے۔"

"صاحبزادے ہو۔" آصف مسکرا کر بولا۔ "یہ کہو میں نے اس ڈائری کو اپنے ہی تک محدود رکھا تھا اور نہ آئے وال کا بھاؤ معلوم ہو جاتا۔"

"تم نے یہ کہہ کر میراول جیت لیا میرے پیارے محبوب۔" انور رومانگ انداز میں بولا۔

آصف نے نفرت سے منہ پھیر لیا اور انور کے ہونٹوں پر شراحت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"پلازا تھیز چل رہے ہو۔" انور نے پوچھا۔

وفحشاً آصف چونکہ پڑا۔

"کیا مطلب! تمہیں کیسے معلوم ہوا۔" آصف اسے تھیر آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ انور سوچ میں پڑ گیا کہ آصف کے اس رویے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔

"دنیا کی کوئی ایسی بات ہو سکتی ہے جس سے مجھے واقفیت نہ ہو۔"

آصف اسے گھورنے لگا۔

"پلازا کے نیجے سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ تکٹ اس نے نہیں بھیجے۔ لیکن وہ آج ہی خریدے گئے ہیں۔" آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"صرف تمہارے ہی پاس آئے ہیں۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں دو تین افراد کو بھی کسی نے آج کے شو کے لئے مدعا کیا ہے۔" آصف بولا۔

"تمہیں اس کی اطلاع کس طرح ہوئی۔"

"ایک کرامہ پورٹر کا فرض ہے کہ وہ اس قسم کی اطلاعات بہم پہنچاتا رہے۔"

آصف کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"جی ہتاو تمہاری ڈائری وہاں کس طرح پہنچی تھی۔" آصف نے کہا۔ "میں تم سے اس قسم کے جرم کی توقع نہیں رکھتا۔"

"اب آئے سید حمی راہ پر....!" انور نہیں کر بولا۔ "کوئی مجھے پھسانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس شہر میں کوئی بڑی واردات ہے نے والی ہے.... بہت بڑی.... اسے لکھ لو۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلوب! بہت جلد واضح ہو جائے گا۔" انور نے کہا۔ "لاش کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ کس کی ہے۔"

"نہیں اور ایک دلچسپ اطلاع۔ اس کی ڈائری نقلی ثابت ہوئی۔"

انور نے قہقہہ لگایا اور شرارۃ آمیز نظروں سے آصف کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمہارے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ تم اس کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور جانتے ہو۔"

"بھلامیں کیا جان سکتا ہوں۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم شیطان ہو۔" آصف بزرگانہ شفقت کا ظہار کرتا ہوا بولا۔

"بے کار! بالکل بے کار! اس قسم کے پیار بھرے حریے میرے لئے قطعی بیکار ہیں۔ اگر میں کچھ جانتا ہو تو یہی بتا دیتا۔"

"خیر خیر....!" آصف مسکراتا ہوا بولا۔ "تم تو میرے ساتھ پلازا چل رہے ہو۔"

"تمہارے ساتھ کیوں؟ کیا میں اس شہر کی اہم شخصیت نہیں ہوں۔"

"کیا مطلب....?" آصف چوک کر بولا۔

"ظاہر ہے کہ مدعا کرنے والے نے مجھے بھی مدعا کیا ہو گا۔" انور لاپرواں سے بولا۔

"اور تم بد عوکرنے والے کو نہیں جانتے۔" آصف نے پوچھا۔

"جب یہاں کا اتنا بڑا سراغ رساں نہیں جانتا تو بھلا میں بے چارہ کیا جان سکتا ہوں۔" انور

ظریفہ انداز میں بولا۔

"انور تم بعض اوقات سخت تکلیف دہ ہو جاتے ہو۔"

انور ہنسنے لگا اور آصف اسے برآمدے میں چھوڑ کر دفتر میں چلا گیا۔

تحوڑی دیر بعد انور کی موڑ سائکل پلازا تھیز کی طرف جا رہی تھی۔ ساڑھے پانچ بج پکھتے تھے۔ ڈرامہ شروع ہونے میں آدھا گھنٹہ باقی تھا لیکن بھیز کا یہ عالم تھا کہ کپاڈ میں شانے سے شانہ چل رہا تھا۔ اس دوران میں جب کہ فلم اتنی مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ اسی کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی، لیکن پھر بھی پلازا تھیز کا ہال تماشائیوں سے بھر ا رہتا تھا۔ جس کی سب سے بڑی وجہ ایک رقصہ شیلارانی تھی۔ حال ہی میں وہ فرانس، جرمنی، انگلینڈ اور اطالیہ میں اپنے فن کے مظاہرے کر کے واپس آئی تھی۔ دورے کے درمیان میں اس نے غیر ملکی طرز رقص سے بھی خاصا استفادہ کیا تھا اور اس طرح اس کے آرٹ کو ایک تی زندگی بخش دی تھی۔ حالانکہ تھارے ملک میں فن کے پر کنے والے کم ہیں لیکن شیلارانی جوان بھی تھی اور پھر کیا چاہئے اس کے جسم کا لوج ہی لوگوں کو اسی طرف متوجہ کر لینے کے لئے کافی تھا۔

انور ہال میں جا کر بیٹھ گیا۔ آرکسٹرا کی چند نشتوں کے علاوہ سارا ہال بھرا ہوا تھا۔ انور نے سوچا کہ یہ خالی جگہیں وہی مخصوص نشتوں ہو سکتی ہیں جن کے نکٹ کسی نامعلوم آدمی نے پولیس کے چند آفسروں کے پاس بھجوائے ہیں۔

تحوڑی دیر کے بعد اسکٹ آصف چار دوسرے پولیس آفسروں کے ساتھ ہال میں داخل ہوا۔ انور کی سیٹ کے بعد پانچ نشتوں خالی تھیں..... وہ پانچوں آگر بیٹھ گئے۔ آصف انور کے برابری بیٹھا۔

"تو کیا واقعی تھیں بھی نکٹ سو صول ہوا تھا۔" آصف نے پوچھا۔

"شاید تم اب مجھ سے حلف انہوں اچاہے ہو۔" انور نے کہا۔ "مجھے دو نکٹ سو صول ہوئے تھے اسی لئے یہ رے بر ابر کی سیٹ ابھی تک خالی ہے۔"

"دو نکٹ کیوں۔"

"شاہزاد ایک رشیدہ کے لئے تھا۔"

"تو اسے کیوں نہیں لائے۔"

”وہ خود نہیں آئی۔“

اس کے بعد خاموشی چاہی۔

تحوڑی دیر بعد ہال آرکسٹرا کی دھنوں سے گوئی بنتی لگا۔ ہال کی روشنی میں ہو گئی اور اس طرح جگنے لگا۔ پر دھنا اور ڈرامہ شروع ہو گیا۔ ڈرامہ زیادہ دلچسپ نہ تھا۔

”بھتی یہاں تو کوئی خاص بات نہیں...“ آخر آصف کچھ کہتے رک گیا۔

”افوس کیوں کر رہے ہو۔ مفت ہاتھ آئے تو تیرا کیا ہے۔“ انور مسکرا کر بولا۔

میں پر میں بدلتے رہے۔ آخر کار وہ موقع آیا جب ڈرامے کی ہیر و سُن شیلارانی اپنے پائیں باعث میں رقص کر رہی تھی۔ قریب ہی سے ٹیک پر ایک ڈاکو نمودار ہوا جس نے اپنا چہرہ سیاہ نقاب سے چھپا رکھا تھا۔ ہیر و سُن اس کی آمد سے بے خبر تھی۔ وہ اپنے فن میں ڈوبی ہوئی رقص کرتی رہی۔ وفتحاڑا کو نے جیب سے پستول نکلا ایک زور دار دھماکہ ہوا اور ہیر و سُن جیج مار کر گر پڑی۔ پر دھنچی دیا گیا۔

”کتنی پچھی اداکاری تھی۔ کتنی پچھی جیج۔“ آصف بولا۔

”اداکاری نہیں حقیقت۔“ انور تیزی سے اٹھتا ہوا بولا۔ وہ جیج ختم ہو گئی ہے اور پھر پردے کے پیچے شور جیگیا انور اس طرح کی طرف جھپٹا۔

”اڑے اڑے کیا دلاغ خراب ہو گیا ہے۔“ آصف چھینا۔

”جلدی آؤ... جلدی آؤ...!“ انور ہاتھ بلاتا ہوا بولا۔ دوسرے لمحے میں وہ اس طرح پر تھا۔ شیلارانی اس طرح پر مردہ پڑی تھی اور چند ایک سو اس کے گرد کھڑے تیری طرح جیج رہے تھے۔ ان میں وہ ڈاکو بھی تھا اس کے ہاتھ میں ابھی تک پستول دبا ہوا تھا۔ گولی شیلارانی کے سر پر گلی تھی۔

انور نے پلٹ کر دیکھا آصف بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس طرح پر آگیا تھا اور حیرت سے آنکھیں چڑائے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”جلدی کرو۔“ انور بولا۔ ”کوئی باہر نکل کرنہ جانے پائے۔“

آصف پردے کے باہر آگیا۔ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ شور مچا رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یک بیک یہ کیسی بھاگ دوز شروع ہو گئی۔

”حضرات....!“ آصف تماشیوں سے مخاطب ہو کر بولا۔ ”میں حکمہ سراغِ رسانی کا اپنکا آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ آپ میں سے کوئی ہال کے باہر نہ جائے۔ رقصہ جیج قتل ہو گئی ہے۔“

تماشیوں میں بیجان بھیل گیا۔ تھوڑی دیر بعد سب دروازے مقفل کر دیے گئے۔ آصف

پھر اسٹچ پر لوٹ آیا۔ پستول چلانے والا سر پکڑے بیٹھا تھا اور اس کا پستول انور کے ہاتھ میں تھا۔ ”آپ ان سے پوچھ سکتے ہیں۔“ ریو اور والا دوسرا ایکٹروں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ”میں یہاں سے ہٹ کر کہیں نہیں گیا۔“ ایکٹروں نے اس کے بیان کی تائید کی۔

”عجیب بات ہے۔“ انور سر ہلا کر بولا۔ ”پولیس آفیسروں نے ریو اور والے کو اپنے زندگی میں لے رکھا تھا۔“

”یہ تمیک ہے کہ پستول خالی تھا۔“ فیجر نے آگے بڑھ کر کہا۔ ”میں موقع پر یہ معلوم ہوا تھا کہ بغیر گولیوں والے کارتوں ختم ہو گئے۔ اس لئے مجبوراً یہ انتظام کیا گیا تھا کہ جیسے ہی یہ ریو اور نکالے پر دے کے جیکچے پناخہ داغ کر پستول کی مصنوعی آواز پیدا کی جائے۔ آپ نے خود دیکھا ہو گا کہ ریو اور سے دھواں یا شعلہ نہیں نکلا تھا۔“

”تو پھر یہ گولی آئی کہاں سے۔“ آصف نے کڑے لبکھ میں پوچھا۔

”اب بھلاتا ہیئے میں کیا بتاؤ۔“ فیجر نے کہا۔ ”کیا میں یہ نہیں جانتا کہ یہ حادثہ میرے لئے ایک بڑی مصیبت کا پیش خیسہ ثابت ہو سکتا ہے۔“

تحوڑی دیر بعد تھیز کا ایک ایک کونہ دیکھ ڈالا گیا لیکن یہ نہ معلوم ہوا کہ گولی کہاں سے آئی اور وہ کس کی حرکت تھی۔ آخر کار تھک ہار کر ہال کے دروازے کھلوا دینے پڑے۔ فیجر نری طرح بدھواں تھا۔

”اب کیا کیا جائے۔“ آصف بے بھی سے بولا۔

”مدد عوکرنے والا دراصل ہماری بے بھی کا تماشہ دیکھنا چاہتا تھا۔“ انور نے کہا۔

”تو کیا.... تو کیا....!“

”جی ہاں....!“ انور طنزیہ لبکھ میں بولا۔ ”کبھی پہلی بھی اس ختم کے پر اسرا دعوت نے موصول ہوئے تھے۔“

آصف غور سے اُسے دیکھنے لگا۔

انور نے پستول کی ہال کو ناک سے لگا کر سو نگھا۔

”اس پستول سے تو واقعی گولی نہیں چلی۔“ انور نے کہا۔

”مگر ہے بدلتا گیا ہو۔“ آصف بولا۔

”دوسرے لوگوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک لمحے کے لئے بھی اسٹچ سے

نہیں ہٹا۔ ”انور نے کہا۔

”پھر....!“

”بھلا میں کیا جاؤں۔“ انور منہ بنا کر بولا۔

تحوڑی دیر بعد ہال میں پولیس والوں کے علاوہ کوئی اور نہ رہ گیا۔ حادثے کی اطلاع پا کر کچھ اور ذمے دار آفیسر بھی پہنچ گئے تھے۔ وہ ایکشر جوڈا کا پارٹ کر رہا تھا حراست میں لے لیا گیا تھا۔ اس وقت ایکچھ پر جو ایکشر اور پر دہ کھینچنے والے موجود تھے پولیس نے ان کو بھی نہیں چھوڑا تھا۔

پولیس والے لوگوں کے بیانات لینے میں انجھے ہوئے تھے اور انور کسی اور ہدایت فلر میں تھا۔ اس کی نگاہیں پورے ایکچھ کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس میں کے لئے خاص طور سے ایکچھ ترتیب دیا گیا تھا۔ وہ اپنی طرف لکڑی کی ایک دیوار میں اس طرح رنگ کاری کی گئی تھی کہ وہ کسی کو بھی کے سامنے کا حصہ معلوم ہو رہا تھا اور ایک سائبان بنانا ہوا تھا جسے نیچے سے روکنے کے لئے لوہے کے کمی چھڑ لگائے گئے تھے۔ شیلارانی ٹھیک اسی سائبان کے سامنے ناق رہی تھی۔ انور اس کی جگہ جا کر کھڑا ہو گیا جہاں سے ابھی ابھی شیلارانی کی لاش ہٹائی گئی تھی۔ اس کی نگاہیں بار بار سامنے والے سائبان کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

”تو تمہیں اس حادثے کی اطلاع پہلے سے تھی۔“ آصف نے انور سے پوچھا۔

”تم عجیب آدمی ہو۔“ انور چڑ کر بولا۔ ”اپنا کام کرو۔ میرے پیچے کیوں پڑ گئے۔“

”تمہیں بتانا پڑے گا۔“

”کیا بتانا پڑے گا۔“

”ہم لوگوں کے پاس لکھ کس نے بھجوائے تھے۔“ آصف تیز لمحے میں بولا۔

”افراسیاب والی ظلم ہو شربانے۔“

”ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔“ آصف دانت پیس کر بولا۔

”تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔“ انور نے کہا۔

”اب مجبور انجھے....!“

”سر پھوڑ لیتا پڑے گا۔“ انور نے مسکرا کر جملہ پورا کر دیا۔ ”تم آدمی ہو یا ڈیوت....!“

”خہرو بتاتا ہوں۔“ آصف غصے میں پولیس آفیسروں کی طرف مرتا ہوا بولا۔

”تمہاری مرضی....!“ انور نے لاپرواں سے اپنے شانوں کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ ”کل؟“

مہارے علاں پر لزر خواستیں گذر جائیں گی۔“

آصف رک کر اسے گھوڑنے لگا۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ انور کی بوسٹان اڑا دیتا۔

"اس سائبان کی طرف دیکھ رہے ہو۔" انور آہستہ سے بولا۔ "اسے تزواد اور پھر کل کے خبرات تمہاری شان میں لبے چوڑے قصیدے چھاپ دیں گے۔ اچھا شہ بنیز میں چلا۔ اگر ناب سمجھنا تو نتیجے سے بھی مطلع کر دینا.... ورنہ میں تو اپنی روپورٹ مکمل کر دیں گا۔"

قتل کاراز

قبل اس کے کہ آصف کچھ کہتا انور ہال سے نکل کر کپاڈنہ میں آگیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنی بوڑھائیکل پر گھر کی طرف واپس جا رہا تھا۔ گیارہ نجع پکے تھے۔ شہر قریب قریب ویران ہو چکا غد۔ کہیں کہیں ایک آدھہ دو کامیں کھلی نظر آرہی تھیں۔

انور جیسے ہی اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ رشیدہ اس پر جھپٹ پڑی۔

"لہاں تھے... کہاں گئے تھے۔"

"تم یہاں کیا کر رہی تھی۔ جاؤ اپنے کمرے میں... ." انور کوٹ اتار کر کر سی پر ڈالتا ہوا بولا۔

"نبیں جاؤں گی۔"

"اوہو... اور اگر میں نے کان پکڑ کر بیکال دیا تو۔"

"میں تم سے کمزور ہوں کیا۔" رشیدہ بھنا کر بولی۔

انور کوئی جواب دیئے بغیر آرام کر کر پر گر گیا۔ رشیدہ اسے گھوڑ رہی تھی۔

"میں نے ابھی تک کھانا نبیں کھلایا۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

"تو میں نے کب کھایا ہے۔" انور نے کہا۔ "آخر تم میرا انتظار کیوں کرتی ہو۔"

"میری خوشی۔"

"ویکھو تمہارا راستہ اوہر ہے۔" انور دروازے کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

وفلاٹ دروازے میں ایک صورت دکھائی دی۔ اسی صورت جسے دیکھ کر دونوں چوپک پڑے۔

وہی تھا جو پہلی رات کو انور سے ملا تھا اور جس کی تصویر آصف نے دکھائی تھی۔ وہ اتنے نہ سکون طریقے سے کمرے میں داخل ہوا جیسے دہاس کا اپنا ہی کر رہا ہو۔ قبل اس کے کہ انور کچھ کہتا ہے۔

ایک کر سی پر بینہ کر مکرانے لگا۔

"تم اپنے کرے میں جاؤ۔" انور نے رشیدہ سے کہا۔ رشیدہ انور کو گھورتی ہوئی ایک کرسی پر بینچے گئی۔

"جاوہا پنے کرے میں۔" انور نے پھر کہا۔

"بکومت....!" رشیدہ نے کہا اور اجنبی کو معنی خیر انداز میں دیکھنے لگی۔

"تم کل رات میری ڈائری کیوں اٹھالے گئے تھے۔" انور نے اجنبی سے پوچھا۔

"تمہیں ایک معمولی ساستق دینے کے لئے۔" اجنبی نے مسکرا کر کہا۔

"دیکھو! خواہ خواہ مجھ سے ایکھنے کی کوشش نہ کرو۔" انور نے کہا۔

"میں پھر بھی چاہوں گا کہ تم داراب سے سمجھوئے کرلو۔"

"کس بات کا سمجھوئے۔"

"یہی کہ تم اس کے معاملات میں دخل نہ دو گے۔" اجنبی نے کہا۔

"اپ یہ چیز میرے امکان سے باہر ہو گئی ہے۔" انور نے کہا۔ "اگر تم نے میری ڈائری چڑا کر مجھے پھنسوانے کی کوشش نہ کی ہوتی تو شاید اس کی ضرورت ہی نہ سمجھتا۔"

"دیکھو انور! تمہیں داراب سے سمجھوئے کرنا ہی پڑے گا۔ کیا تم نے اس وقت تمیز میں رقصہ کی موت نہیں دیکھی۔"

انور خاموشی سے اسے گھور رہا تھا۔ رشیدہ انٹھ کر کرے سے جانے لگی۔

"آپ تینیں تشریف رکھئے محترمہ....!" اجنبی بولا۔

"کیوں....؟" رشیدہ اسے قہر آکوں نظر وہ سے گھورتی ہوئی بولی۔

"میں آپ سے استدعا کرتا ہوں۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔

"میں پولیس کو فون کروں گی۔"

"نہیں....!" انور اسے تیز نظر وہ سے گھورتا ہوا بولا۔ "چپ چاپ اپنے کرے میں سو جاؤ۔"

رشیدہ پھر بینچے گئی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" انور نے اجنبی سے پوچھا۔

"میرا نام دوستیرہ ہے۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔

"اوہ تو مجھ پر اپنے گردہ کار عرب ڈالنا چاہتے ہو۔ یعنی تم اپنے گردہ کے دوستیر حویں ممبر ہو۔"

"یہی سمجھو لو۔"

"تم نے کل ایک آدمی کو قتل کر کے اس کی ٹھکل اپنی جیسی بنا دی تھی۔" انور نے کہا۔ "اور

تم سمجھتے تھے کہ شاید میں اس وقت تمہیں دیکھ کر گھبر اجاوں گا۔"

"نہیں تمہیں محض یہ دکھانا تھا کہ تم نے دار اب کی طاقت کا غلط اندازہ لگایا ہے۔" اجنبی بولا۔

"مردے گھینٹنے والے گیدڑوں کو میں طاقت ور نہیں سمجھتا۔" انور نے منہ بنا کر کہا۔ "وہ

محض ہرگز بہادر نہیں ہو سکتا جو عورتوں کو قتل کرتا پھرے۔"

"دیکھو میں پھر تمہیں سمجھاتا ہوں۔" اجنبی نے کہا۔

"میں کچھ سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ہماری آخری گفتگو ہے۔"

"قطی.....!" انور نے کہا اور میز پر سے کتاب اٹھا کر اس کے درق اٹھنے لگا۔

"خیر.....!" اجنبی اٹھتا ہوا بولا۔ "میں پھر تمہیں وقت دیتا ہوں۔"

انور نے کتاب میز پر پڑھ دی اور تن کر کھڑا ہو گیا وہ اس پر اسرار اجنبی کو عجیب نظر دوں سے دیکھ رہا تھا۔

"میں تم سے کہتا ہوں کہ یہ میری اور تمہاری آخری ملاقات ہے۔" انور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"صد اچھی نہیں ہوتی۔"

"تم جاسکتے ہو۔" انور نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

اجنبی اسے گھورتا ہوا چلا گیا۔ اس کی آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

"اور تم سنتی ہو رشیدہ۔" انور نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "تم بھی یہاں سے چل جاؤ۔"

رشیدہ نے اسے گھور کر دیکھا اور تیر پڑھتی ہوئی کمرے سے چل گئی۔ لیکن اس کے جانے کے بعد ہی انور کو خیال آیا کہ اس نے ابھی کھانا نہیں کھایا۔ وہ اٹھ کر رشیدہ کے کمرے کے سامنے آیا۔ رشیدہ دروازہ بند کر چکی تھی۔ انور آہستہ آہستہ دستک دینے لگا۔

رشیدہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

"اب کیا ہے؟" وہ جھلا کر بولی۔

"چلو کھانا کھائیں گے۔"

رشیدہ ہونٹ بھینچنے سے گھور رہی تھی۔

"میری بیٹی....!" انور پیار بھرے لہجے میں بولا اور رشیدہ پکھل گئی۔

دونوں قریب ہی کے ایک ریستوران کی طرف روانہ ہو گئے۔

کھانے کے دوران میں رشیدہ اس اجنبی کا تذکرہ چھیڑ بیٹھی۔ انور نے اسے پلازا ٹھیز کے حادثے کے متعلق پتالیا۔ رشیدہ تھیر آمیز انداز میں انور کی طرف دیکھنے لگی۔

”شیارانی کو داراب سے کیا تعلق۔“ رشیدہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

”یہی تو دیکھتا ہے۔“ انور نے کہا۔

”شیارانی کوں تھی۔“ دفعہ تارشیدہ نے کہا۔

”ایک رقصہ...!“ انور نے جواب دیا۔

”وہ تو تھی ہی لیکن کس خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔“

”یہ میں نہیں جانتا۔“

”میں جانتی ہوں۔“

”تو پھر پہلیاں بھجوانے سے کیا فائدہ۔“ انور نے جھنجھلا کر کہا۔

”میں دراصل یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ مشہور کرامہ روپورث کتنے پانی میں ہے۔“ رشیدہ نے پس کر کہا۔

انور اسے گھومنے لگا۔ رشیدہ کی بُھنی میں اضافہ ہو گیا۔

”بس اب چپ بھی رہو ورنہ شوربے کی پلیٹ تمہارے منڈ پر مار دوں گا۔“

رشیدہ اور زور سے ہٹنے لگی۔ انور ہاتھ سے نوالہ رکھ کر دوسرا طرف دیکھنے لگا۔

”تو بھی اس میں بگونے کی کیا بات ہے۔“ رشیدہ سمجھی گئی سے بولی۔ ”کھاؤ۔“

انور نے سکریٹ سلکالی اس کے چہرے پر بیز اری پھیل گئی۔ رشیدہ کچھ اور کہنے والی تھی کہ آصف دکھائی دیا۔

”اوہ تو تم یہاں ہو۔ میں واپس چاہتا تھا۔“

”اچھا! اچھا...!“ انور اٹھتا ہوا بولا۔ ”وہیں چلو...!“

رشیدہ بھی کھانا کھا چکی تھی۔ انور نے مل ادا کیا اور وہ قلیٹ کی طرف لوٹ آئے۔

”انور آخر تم مجھے ٹکک کیوں کر رہے ہو۔“ آصف نے کہا۔ اس کے لمحے میں عاجزی تھی۔

”بیٹھو... بیٹھو...!“ انور بے صبری سے ہاتھ ہلا کتا ہوا بولا۔

”تمہارا خیال بالکل صحیح نکلا۔ گوئی اسی سائبان سے چلی تھی۔“ آصف نے کہا۔

”ان لوہے کی سلاخوں میں ایک رائقل کی نالی تھی۔“ انور مسکرا کر بولا۔

”ہل اور شجر اس دریافت پر قریب قریب بیووش ہو گیا تھا۔“ آصف نے کہا۔

را تقلیل کا کندہ اس لکڑی کی موٹی سی دیوار کے اندر پچھا ہوا تھا اور نال دوسری طرف نکلی ہوئی تھی جس پر چند اور سلاخوں کے ساتھ سائبان نکلا ہوا تھا۔ اشیج کے دوسرا سے حصے میں سوراخ کر کے ایک پتلی سی ڈوری را تقلیل کی لمبی نال تک پہنچائی گئی تھی۔ را تقلیل بھری ہوئی تھی۔ جب شیلار اپنی را تقلیل کی زد پر آگئی تو کسی نامعلوم آدمی نے وہ ڈوری کھینچ لی اور را تقلیل چل گئی۔

”اس دریافت کے بعد تم نے کیا کیا۔۔۔؟“

”فیجر کو حرast میں لے لیا گیا ہے۔“ آصف نے کہا۔

”اس ایکٹر کا کیا ہوا جس نے ڈاکو کی اداکاری کی تھی۔“

”وہ بھی حرast میں ہے اور وہ بھی جس نے اشیج کے پیچھے پناہ داعا تھا۔“

”اور ڈائریکٹر کا کیا ہوا۔“ انور نے پوچھا۔

”وہ اس حادثے سے پہلے ہی کہیں چلا گیا تھا۔“ آصف نے کہا۔

”تو وہ نہیں مل سکا۔“ انور نے پوچھا۔

”نہیں، لیکن اس کی تلاش جاری ہے۔“ آصف نے کہا۔ ”فیجر نے اپنے بیان میں بتایا ہے کہ ایک ہفتہ قبل اس نے اس ڈائریکٹر کو ملازم رکھا تھا اور یہ نیا ڈرامہ اسی کا لکھا ہوا تھا۔ اسی نے اسے ڈائریکٹ بھی کیا تھا۔ فیجر نے یہ بھی بتایا کہ آج شام کو جب یہ معلوم ہوا تھا کہ نتی کار تو س ختم ہو گئے تو اس نے مصنوعی دھماکے کی رائے دی تھی اور اس کے لئے ایک زیادہ آواز والے پناہ کا انتخاب کیا تھا۔ حالانکہ فیجر نے اس سے کہا تھا کہ اتنی زیادہ آواز والا پناہ پستول کی آواز پیدا کرنے کے لئے بے نکالتا بت ہو گا۔ مگر اس نے کوئی دھیان نہیں دیا اور دھیتا بھی کیسے جب کہ اسے اس دھماکے میں سائبان والی را تقلیل کی آواز چھپائی تھی۔“

”ڈائریکٹر کا حلیہ۔“

”حلیہ پوچھتے ہو۔“ آصف نے کہا۔ ”اگر میرے سر پر اس وقت بم گر پڑتا تو بھی مجھے اتنی حیرت نہ ہوتی جتنی کہ اس کا حلیہ معلوم کر کے ہوئی۔“

”یعنی۔۔۔؟“ انور نے ہمہ تن سوالیہ نشان بن کر پوچھا۔

آصف نے اپنی جیب سے ایک تصویر بکال کر انور کے سامنے ڈال دی۔

”یہ تو اسی آدمی کی تصویر ہے جس کی لاش تمہیں جلی ہوئی کار میں ملی تھی۔“ انور نے کہا۔

”اور تمہیں بھی بتاچکا ہوں کہ مقتول کی ڈاڑھی مصنوعی تھی۔“ آصف بولا۔

”تمہیں یہ تصویر ملی کہاں سے۔“

”فیجرنے دی ہے۔“

”حیرت....!“ انور آہستہ سے بڑھ لیا۔

”اور میں اسی لئے تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان حادثات سے تمہارا کیا تعلق ہے۔“ آصف نے بے نابی سے کہا۔

”اور یہی تمہاری زبردست حماقت ہے۔“ انور مسکرا کر بولا۔

”دیکھو انور باتوں میں نہ ٹالو۔“

انور کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دری بعد وہ آصف سے مخاطب ہوا۔

”اگر میں یہ کہوں کہ یہ دارا ب کی حرکت ہے تو تم کس حد تک یقین کرو گے۔“

”دارا ب....!“ آصف اس طرح اچھا جیسے یک بیک کری نے اچھا دیا ہو۔

”ہاں دارا ب....!“

”میں کس طرح یقین کراؤں۔“

”یقین نہ کرنے کی وجہ....!“ انور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”ابھی تک اس نے جتنی بھی وارداتیں کی ہیں ان میں خود کو ظاہر کر دیا ہے۔“ آصف نے کہا۔ ”اور اس کے باوجود بھی پولیس اس کا پتہ لگانے میں ناکام رہی۔“

”کیا محکمہ سراغ رسانی کے پاس دارا ب کا کوئی ریکارڈ ہے۔“ انور نے پوچھا۔

”نہیں....!“ آصف موضوع بدل کر بولا۔ ”آخر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ ان حادثات کا تعلق دارا ب سے ہے۔“

”اس نے مجھے چیلنج کیا ہے۔“

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔“

”وہ مجھے اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا ہے۔“ انور نے کہا۔

”آخر کیوں؟“

”یہ میں نہیں جانتا۔“

”بھلا تمہیں راستے سے ہٹانے اور ان وارداتوں سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔“

”یار آصف تمہاری عقل آج کل اتنی بیتم کیوں ہو گئی ہے۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”اس لاش کے ساتھ میری ڈائری کا پایا جانا کیا معنی رکھتا ہے اور پھر تم لوگوں کے ساتھ مجھے بھی تمہیز کے

لئے مدد کیا گیا؟ تم خود بتاؤ! اگر میری بجائے کوئی اور ہوتا تو اس وقت وہ کہاں ہوتا۔“
”ٹھیک ہے۔!“ آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”لیکن تم اب بھی خود کو حفاظت نہ سمجھو۔“
”اوہو....!“ انور مسکرا کر بولا۔ ”تو کیا تم حق مجھ پر چھکڑیاں لائے ہو۔“

”میں لایا تو نہیں لیکن حالات ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو سراسر تمہارے خلاف ہیں۔“ آصف
نے کہا۔ ”اور تم کسی وقت بھی سرکاری مہمان خانے کی زینت بنائے جاسکتے ہو۔“
انور ہنسنے لگا اور رشیدہ آصف کو گھورنے لگی۔

”کیوں بھی تم مجھے اس طرح کیوں گھور رہی ہو۔“ آصف نے کہا۔

”میں یہ دیکھ رہی ہوں کہ کیا واقعی آپ غتریب ترقی کرنے والے ہیں۔“
انور نے زور دار قہقہہ لگایا اور آصف ٹھیک کیا۔

”کیوں بھی شیلارانی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے وہ کون تھی کیوں قتل کی گئی۔“ انور نے
پوچھا۔

”ا بھی اتنی جلدی اس کے متعلق کیا معلوم ہو سکتا ہے۔“ آصف نے کہا۔

رشیدہ کچھ بولنا ہی چاہتی تھی کہ انور نے اس کی طرف گھور کر دیکھا اور وہ خاموش ہو گئی۔
”واقعی انور تم خطرے میں ہو۔“ آصف بولا۔

”ٹھیک ایک طرف قانون ٹھکنی کرنے والے قانون کے محافظ ہیں اور ایک طرف ایک ایسا
شخص جو قانون کو کھلونا سمجھتا ہے اور درمیان میں میں۔ لیکن یاد رکھو کہ فتح میری ہی ہو گی۔“

”خیر....!“ آصف انتہا ہوا بولا۔ ”میں یہ کبھی نہ چاہوں گا کہ تم جیل کی صورت دیکھو۔“
”شکریہ.... شکریہ....!“ انور طنزیہ انداز میں بولا۔

آصف کے پلے جانے کے بعد وہ رشیدہ سے مخاطب ہوا۔
”شیلارانی کون تھی؟“

”رقاصہ تھی۔“ رشیدہ نے بھولے پن سے کہا۔

”پھر وہی....!“

”یعنی....!“

”پتاوٹا وہ کون تھی۔“

”بھلامیں کیا جانوں۔“

انور اسے تیز نظروں سے گھورنے لگا۔ رشیدہ نے نظریں جھکالیں۔ اس کے ہوتوں پر

شراحت آمیز مسکراہت پھیل رہی تھی۔

کر ٹل جاوید

”کر ٹل جاوید کا نام سناء بھی۔“ رشیدہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

”کر ٹل جاوید۔“ انور آہستہ سے بڑھ لیا۔ شاید وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر اچانک بولا۔ ”وہی تو نہیں جس کے گھوڑے ریس میں دوڑتے ہیں۔“

”وہی وہی....!“ رشیدہ دھیرے سے بولی۔ ”شیلارانی اسی کی لڑکی تھی۔“

”کیا مطلب.... تم نے افون تو نہیں کھائی۔“

”شاید رفاقتہ کا نام تمہیں ایسا کرنے پر مجبور کر رہا ہے۔ اس کا اصلی نام شاہدہ تھا۔“ رشیدہ بولی۔

”بہت خوب....!“ انور مسکرا کر بدلنا۔ اس کی آنکھوں سے بے اعتباری جھلک رہی تھی۔ رشیدہ جھنگلا۔

”تم خود کو نہ جانے کیا سمجھتے ہو۔“ رشیدہ جھلا کر بولی۔ ”جس طرح تم شہر بھر کی باتوں کی اطلاع رکھتے ہو اسی طرح دوسرے بھی رکھ سکتے ہیں اور پھر تم ایسے کہاں کے لال بھکڑوں کل پڑے ہو کر غیب دانی کا دعویٰ کر سکو۔“

”غصے میں تم بہت پیاری لگتی ہو۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”میں اسے محض اس لئے مذاق سمجھا تھا کہ کر ٹل جاوید لاولد مشہور ہے۔“

”لیکن مجھ سے زیادہ اس کے معاملات کو اور کون جان سکتا ہے۔“ رشیدہ خود اعتمادی کے ساتھ بولی۔ ”تمہیں شاید نہیں معلوم کر کر ٹل جاوید.... مگر نہیں میں نہ بتاؤں گی اس لئے کہ تم نے اپنے متعلق مجھے آج تک کچھ نہیں بتایا۔“

”مجھے تمہارا اور اس کا رشتہ جانے کی ضرورت نہیں۔“ انور نے لاپرواٹی سے کہا۔ ”کر ٹل جاوید کی شادی ایک قدامت پسند گرانے میں ہوتی تھی۔ اس کی بیوی کو اس کی بے راہروی ناپسند تھی اور ان دونوں کے درمیان جاوید کی مغرب پسندی باعث ہمدرار بینی ہوتی تھی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن ان دونوں کو الگ ہو جانا پڑا۔ شاہدہ نانہمال میں پیدا ہوئی۔ اسی

دوران میں کرٹل جاوید مغربی ممالک کی سیر کے لئے یہاں سے چلا گیا اور اس کی واپسی تقریباً چھ سال کے بعد ہوئی۔ شاہدہ کی ماں اس کی پیدائش کے چند روز بعد ہی مر گئی تھی۔ اس کی پر درش اس کی نافی نے کی، حالانکہ اس کے نامہ والے قدامت پسند تھے لیکن نہ جانے کس طرح شاہدہ کو بچپن ہی سے رقص و موسيقی کا چکالگ گیا اور وہ اپنی پابندیوں کے باوجود قاصہ بنتی گئی۔ اسے عوام میں اپنے فن کے مظاہرے کا شوق تھا۔ اسکے نامہ والے کرٹل جاوید سے اس درجہ تاراض تھے کہ انہوں نے اس سے کوئی تعلق نہ رکھا شاید اسکی بھی اطلاع نہ تھی کہ اسکے کوئی لڑکی بھی ہے۔ نامہ والوں نے جب یہ دیکھا کہ شاہدہ ان کیلئے بدنامی کا باعث بن رہی ہے تو انہوں نے اسے کرٹل جاوید کے گھر بھجوادیا۔ اس دوران میں کرٹل جاوید سرد گرم کا تجربہ ہو جانے کے بعد بہت کچھ بدلتا چاہا اور اس کی مشرقت پھر سے عود کر آئی تھی۔ اسے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ وہ صاحب اولاد ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اسے دکھ بھی ہوا۔ وہ شاہدہ کی فن پرستی کے خلاف تھا۔ شاہدہ نے جب اسکے پر جانے کا خیال ظاہر کیا تو کرٹل جاوید کا تپ انخاہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی لڑکی جمیع عام میں اپنے فن کا مظاہرہ کرے۔ وہ ایک ضدی آدمی تھا۔ آخر کار دونوں میں سمجھوتہ ہو گیا۔ کرٹل جاوید طوعاً و کرہاً اس بات پر رضامند ہو گیا کہ وہ اسے مغربی ممالک کا درورہ کرنے کیلئے مالی امداد دے گا۔ نہیں تو وہ باقاعدہ کسی مقامی تھیز میں شاہدہ جاوید کے نام سے نوکری کر لے گی اور اس چیز کا خاص طور سے پروپرٹیز کرائے گی کہ وہ کرٹل جاوید کی لڑکی ہے۔ اس طرح وہ شاہدہ سے شیلارانی بن گئی۔ آج کل وہ مغربی ممالک سے واپس آنے کے بعد پلازا میں اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھی اور پھر اسی حالت میں تم اس قتل کے بارے میں کیا سوچو گے۔“

”کرٹل جاوید تو بہت امیر آدمی ہے۔“

”اور اس کی دولت زیادہ تر جواہر کی خلیل میں ہے۔“ رشیدہ بولی۔

”اور اب تم حیرت انگلیز طریقہ پر اس کی مالک بننے والی ہو۔“ انور سنجیدگی سے بولا۔

”کیوں.....؟“ رشیدہ تھیر ہو کر بولی۔ ”مجھ سے مطلب.....؟“

”خیر خیر.....“ انور مسکرا کر بولا۔ ”میں سمجھا شاید تم کسی تاول کی پراسرار ہیر و سکن کی طرح اس قصے میں داخل ہونے والی ہو۔“

”اس کا ایک وارث موجود ہے۔“ رشیدہ انور کی بات پر دھیانند دیتی ہوئی بولی۔

”کون.....؟“

”اس کا بھیجا۔“

"مجھے افسوس ہے کہ میں اس سے بھی واقف نہیں ہوں۔" انور نے کہا۔ "لیکن اب میں یہ پوچھتے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تم ان لوگوں سے کس طرح واقف ہو۔"

"تمہیں آم کھانے سے غرض ہے یا پیڑ گئے سے۔"

"نہیں میں پیڑ تک کھا جانا چاہتا ہوں۔"

"یہ ناممکن ہے۔" رشیدہ سنجیدگی سے بولی۔ "اس سلسلے میں مجھے بہت کچھ بتانا پڑے گا۔ جس کے لئے میں فی الحال تیار نہیں۔ لیکن وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے۔ جب تم میرے متعلق سب کچھ جان جاؤ گے، لیکن اتنا ضرور کہہ سکتی ہوں کہ کرع جاوید یا اس کے معاملات سے میرا کوئی تعلق نہیں۔"

"خیر.... خیر اب خود کو اتنا زیادہ پُر اسرار مت بناؤ۔" انور بیز اری سے بولا۔

"میں تم سے کبھی یہ نہ پوچھوں گا کہ تم کس والٹی ریاست کی صاحب زادی ہو۔"

رشیدہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ سنبھل گئی اور اس کے ہونتوں پر مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

"تم اس طرح تاذ دلا کر بھی مجھ سے کچھ نہیں معلوم کر سکتے۔" رشیدہ نہیں کر بولی۔

"تم جاوید کے بھتیجے کے متعلق بتاری ہی تھیں۔" انور نے منہ سکوڑ کر کہا۔

"اس کا نام صابر ہے۔ پچھلے سال یورپ سے انجینئری کی اعلیٰ سند لے کر واپس آیا ہے۔"

"وہی صابر تو نہیں جس نے تجویاں بنانے کا ایک کارخانہ بیہاں قائم کیا ہے۔" انور چک کر بولا۔

"..... وہی.....!" رشیدہ نے کہا۔ "اس نے کئی عجیب و غریب حرم کی تجویاں بیہاں ایجاد کی ہیں اور انہیں بیہاں کے سرمایہ داروں کے ہاتھ فروخت بھی کیا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ حیرت انگیز تجویری وہ ہے جو اس نے اپنے پیچا کر قتل جاوید کو تحفظ چیز کی ہے۔ اس کا ہندل گھماتے ہی اس میں سے گیت سنائی دینے لگتے ہیں۔ حفاظت کے خیال سے کرع جاوید غالباً اپنے جواہرات اسی تجویری میں رکھتا ہے۔"

رشیدہ خاموش ہو گئی اور انور اٹھ کر ٹھیٹنے لگا۔ پھر اس نے اپنی نگاہیں دیوار میں لگے ہوئے کلاک پر بھادیں۔ ایک نج چکا تھا۔ انور نے ادھر اور دیکھا اور کمرے سے نکل گیا۔ رشیدہ اسے پکارتی رہی وہ چند لمحوں کے بعد نیچے گرج سے موڑ سائکل نکال رہا تھا۔

کرع جاوید کی کوئی خلی سر کلر روڈ پر واقع تھی۔ اس سڑک پر اس سے عظیم اشان کوئی کوئی اور نہ تھی۔ بیہاں کرع جاوید اپنے ملازمین کے ساتھ تھمارہ تھا۔ شہر کی متاز شخصیتوں میں اس کا

شادر تھا۔ لیکن وہ اپنے طبقے میں پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا جاتا تھا اور اس کی وجہ خود انہیں بھی نہیں معلوم تھی جو اسے ناپسند کرتے تھے۔ وہ بد مراد بھی نہیں تھا۔ ظاہری اخلاق بھی کسی سے کم نہیں رکھتا تھا۔ لیکن پھر بھی کسی سوسائٹی میں اس کی موجودگی لوگوں کیلئے دردسر بن جاتی تھی۔ اس وقت کوئی پر سکوت طاری تھا۔ بعض کردوں کی کھڑکیوں سے گھری بیز رنگ کی روشنی نظر آرہی تھی۔ پھانک پر چوکیدار بیٹھا تو انہوں نے رہا تھا۔ انور کی موڑ سائکل جیسے اس کے قریب رکی وہ چونکہ کر کھڑا ہو گیا۔

"لیا کر عل صاحب گھر پر موجود ہیں۔" انور نے اس سے پوچھا۔

"آپ کون ہیں؟" چوکیدار نے تعجب سے پوچھا۔

"جو کچھ پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔"

"مجی باں وہ غالباً سوگے ہیں۔"

"انہیں جگا دو....! میں ان سے ملتا چاہتا ہوں۔"

"آپ آخر ہیں کون....؟"

انور نے جیب سے اپنا ملا قاتی کارڈ نکال کر چوکیدار کو تھما دیا۔

"تکر.... مگر صاحب۔"

"کچھ نہیں....!" انور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "وہ کارڈ دیکھتے ہی مجھے اندر بalaں گے۔"

چوکیدار پائیں باغ سے گزرتا ہوا برآمدے میں چلا گیا۔ شاید وہ برآمدے میں کسی نوکر کو جگا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد برآمدے میں روشنی ہو گئی۔ انور پار پار بے چینی سے اپنی گھری دیکھ رہا تھا۔ پدرہ منٹ گذر گئے، پھر نشست کے کرے میں بھی روشنی ہو گئی اور چوکیدار واپس آیا۔ اس نے انور کو اندر چلنے کو کہا۔ انور نے موڑ سائکل دیں پھانک پر چھوڑ دی اور خود برآمدے سے گزرتا ہوا نشست کے کرے میں آگیا۔ کرہ شاندار طریقہ سے سجا ہوا تھا اس میں وہ سب لوازمات موجود تھے جو ایک جدید طرز کے ڈرائیکردم کے لئے ضروری ہیں۔

چند لمحوں کے بعد ایک اویز عمر کا طویل القامت آدمی شب خوابی کے لبادے میں ملبوس کرے میں داخل ہوا۔ چہرے پر روشنی کے آثار تھے۔ جنکے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ وقت تھے یا مستقل، بہر حال انداز سے یہ ضرور ظاہر ہو رہا تھا کہ انور کی نادقت آمد اسے ناگوار گزرنی ہے۔

"میں آپ کے متعلق بہت کچھ سن چکا ہوں۔" وہ ایک صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "لیکن یہاں اس وقت آپ کی موجودگی باعث حیرت ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے تاوقت آپ کو تکلیف دی۔"

"خیر.... خیر...." کر عل جاوید بے چینی سے پہلو بدلت کر استفہامیہ انداز میں بولا۔

"میں شیلارانی کے متعلق کچھ جانا چاہتا تھا۔" انور بے ساختہ بولا۔

کر عل جاوید چونک کر اسے گھورنے لگا۔ لیکن پھر اس نے اپنی اس کیفیت کو مصنوعی استھان اور غصے میں چھپانے کی کوشش شروع کر دی۔

"میں اس بکواس کا مطلب نہیں سمجھا۔" کر عل گرج کر بولا۔ "شاید تم نئے میں بہک کر ادھر آئے ہو۔"

"میں شراب نہیں پیتا۔" انور منہ سکوڑ کر بولا۔ "اگر آپ شیلارانی کے متعلق کچھ نہیں بتاتا چاہے تو شاہدہ ہی کے متعلق کچھ بتائیے۔"

کر عل اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پہلے وہ خوفزدہ نظروں سے انور کو گھورتا رہا پھر دفعہ اس کی آنکھوں سے نفرت جما کئے گئے۔

"ہاں اب تو تم مجھے بلیک میں کرنے آئے ہو۔" وہ گرج کر بولا۔ "خیر میرے پاس کتوں کا منہ بند کرنے کے لئے کافی دولت ہے۔ بولو اسے راز رکھنے کے لئے کتنی قیمت طلب کرتے ہو۔"

"اب آپ نئے میں معلوم ہوتے ہیں۔" انور سکرا کر بولا۔ "میں سوائے پولیس والوں کے اور کسی کو بلیک میں نہیں کرتا۔"

"پھر تم اس وقت یہاں کیوں آئے ہو۔"

"ایک خبر سناتے۔"

کر عل اسے گھورنے لگا۔

"کسی نے شیلارانی کو سٹیچ پر قتل کر دیا۔"

"اے....!" کر عل بے اختیار چونک پڑا اس کے چیخنے خدو خال پر آہتہ آہتہ افرادگی پھیلتی جاری تھی۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اسے سکتے ہو گیا ہو۔ وہ آہتہ سے ایک صوفے پر بینہ کر خلاء میں تاکنے لگا۔

"اور میں یہ بتانے آیا تھا کہ اگر پولیس کو یہ اطلاع ہو گئی تو آپ بہت پریشان کئے جائیں گے۔"

"پولیس....!" کر عل چونک کر انور کی طرف دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد

پھر بولا۔ "میں پولیس کو اس کی اطلاع دے دوں گا۔"

"آپ کے بھتیجے صابر صاحب کہاں مل سکیں گے۔" انور نے پوچھا۔

"صارب! کیوں؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس قتل میں صابر کا ہاتھ ہے۔"

"یہ سب تو پولیس سمجھے گی۔" انور نے کہا۔ "ویسے شہبہ تو ان پر بھی کیا جا سکتا ہے۔"
"شہبے کی وجہ...!"

"شاہد کے بعد وہی آپ کی جانبیاد کے مالک ہو سکتے ہیں۔"

"بگواں ہے، صابر ایک مہینے سے شہر میں نہیں ہے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" انور نے کہا۔ "سازش یہاں سے ہزاروں میل کی دوری
سے کی جاسکتی ہے۔"

"خاموش رہو۔" کرتل الحستا ہوا بولا۔ "کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں دنیا میں بالکل تہارہ
جاڈوں۔"

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموشی سے کرتل کی بدلتی ہوئی حالتوں کا جائزہ لے رہا تھا۔
"تم مجھے قطعی خوفزدہ نہیں کر سکتے۔" کرتل گرج کر بولا۔ "میں شاہد کے اس انجام پر
مفہوم نہیں ہوں، جو کچھ بھی ہوا بہت اچھا ہوا۔ میں ابھی پولیس کو فون کرتا ہوں۔"

"کرتل صاحب آپ کو غلط نہیں ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "میرا ہر گز یہ مقصد نہیں تھا۔
"ہو گا.... ہو گا....!" کرتل بیزاری سے بولا۔

"ایک تکلیف اور دوں گا۔" انور نے جیب سے ایک تصویر نکالتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ نے
بھی اس شخص کو دیکھا ہے۔"

کرتل تصویر دیکھنے لگا۔ دھنناں اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔

"آخر تھا رامطلب کیا ہے۔" وہ گرج کر بولا۔

"آخر اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔" انور زمی سے بولا۔

"یہ میرا جوانی کا فنون ہے۔ جب میں ڈاٹھی رکھے ہوئے تھا۔" کرتل اسے گھورتا ہوا بولا۔

"یہ اسی پر اسرار آدمی کی تصویر تھی، جو خود کو داراب کے گروہ کا ایک فرد ظاہر کرتا تھا۔ یہ
اس کی تصویر تھی جس کی لاش جلی ہوئی کار میں ملی تھی اور یہی پلازا تھیز میں ڈائریکٹر کی حیثیت
سے داخل ہوا تھا۔"

حیرت انگیز تجوری

کر عل جاوید کے بے حد اصرار پر بھی انور نے اُسے یہ نہ بتایا کہ وہ تصویر اسے کہاں سے ملی تھی۔ کر عل جاوید کا غصہ بڑھتا ہی جادا تھا۔ قریب تھا کہ وہ انور کو دھکے مار کر اپنی کوششی سے نکال دے۔ انور خود اسی وہاں سے چلا آیا۔ راستہ بھراں کا ذہن تصویر والے معاملے میں الجھا رہا۔ اب وہ آدمی حد درج پر اسرار بنتا جا رہا تھا اور انور صحیح معنوں میں دارا ب کی حیرت انگیز شخصیت کا قائل ہوتا جا رہا تھا۔ لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری۔ اس کے لئے اس سے زیادہ تحقیر آمیز بات کوئی اور ہوئی نہیں سکتی تھی کہ وہ اب یہ کچھے ہٹ جاتا۔

غم برپا ہجھ کر اس نے کپڑے اتنا رے اور سو گیا۔ اس کا سوتا بھی عجیب تھا۔ گہرے ہندر کے عالم میں اُسے ہمیشہ گہری نیند آتی تھی۔ خیالات کا تسلسل اسے سونے سے باز نہیں رکھ سکتا تھا۔ بہر حال اس نے اپنی پوری زندگی ایک مشنی نظام میں ڈھال کر رکھ دی تھی۔

دوسرے دن صبح اسے رشیدہ نے جگایا۔ اسکے آصف باہر کے کمرے میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ انور نے اٹھ کر کپڑے تبدیل کئے اور نشست کے کمرے میں آیا۔ اس کے ہوتوں پر وہی زہریلی مسکراہٹ پھیل رہی تھی ہے دیکھ کر آصف خواہ مخواہ اپنی توہین محسوس کرنے لگتا تھا۔

”تم کل رات کر عل جاوید کے یہاں گئے تھے۔“ آصف نے بے ساختہ پوچھا۔
”میں کل رات کے سارے واقعات یکسر بھول گیا ہوں۔“ انور بیٹھتا ہوا بولا۔ ”مجھے سوچنے کی مہلت دو۔“

”کر عل جاوید غائب ہو گیا۔“ آصف نے کہا۔

”تم یقین کرو کہ وہ میری جیبوں میں نہیں ہے۔“ انور سنجیدگی سے بولا۔

”تو تم اس کے یہاں گئے تھے۔“ آصف نے کہا۔

”ہاں....!“

”کیوں....!“

”یہ پوچھنے کے لئے کہ آئندہ ریس میں اس کا کون سا گھوڑا دوڑے گا۔“

”پھر تم نے بکواس شروع کی۔“

”دیکھو مسٹر آصف میں بد تیزی نہیں پسند کرتا۔“ انور منہ سکونڈ کر بولا۔

آصف اسے گھوڑنے لگا لیکن پھر فور آئی اس کے رویے میں تبدیلی واقع ہو گئی۔ اس نے میر پر رکھے ہوئے انور کے سگریٹ کیس سے ایک سگریٹ نکال کر ہوتیوں میں دبایا۔ دو تین کش لینے کے بعد وہ نہم باز آنکھوں سے انور کی طرف دیکھنے لگا۔

”انور تم جانتے ہو کہ میں تمہیں کیا کہتا چاہتا ہوں۔“ آصف بولا۔

”کیوں رشو کیا خیال ہے۔“ انور نے رشیدہ کی طرف مزکر کہا۔ ”میں بھی آصف سے محبت شروع کر دوں۔“

”محبت کا جواب محبت ہی سے دینا پاہتے۔“ رشیدہ سکرا کر بولی۔

”اچھا تو ستو میری جان بوزھے آصف۔۔۔!“ انور آصف کو آنکھ مار کر بولا۔ ”میں اسی وقت

تم پر ہزار جان سے عاشق ہو گیا ہوں۔ پوچھ، کیا پوچھتے ہو؟“

”اب تم دونوں مل کر میرا معلکہ اڑانا پچھتے ہو۔“ آصف بگزر کر بولا۔

”اڑے نہیں نہیں۔“ رشیدہ جلدی سے بولی۔ ”میں تو آپ کو ہمیشہ پچھا بھجنی ہوں۔“

”میں بھی رشیدہ کا پچھا کہتا ہوں۔“ انور نے سجادگی سے کہا۔

”خیر خیر کبھی تم لوگ بھی بوزھے ہو گے۔“

”تم نے آنے کا مقصد بیان نہیں کیا۔“ انور احتجاجاً تھہ اٹھا کر بولا۔

”کر ٹل جاوید کہاں غائب ہو گیا۔“

”بجیب آدمی ہو۔ بھلامیں کیا جاؤں۔“

”تم اس سے ملتے تھے۔“ آصف نے کہا۔

”تو مجھے اس سے کب انکار ہے۔“

”اس نے تقریباً تین بجے رات کو پولیس کو اطلاع دی کہ شیلارانی اس کی لڑکی تھی اور اس نے یہ بھی بتایا کہ شیلا کے قتل کی خبر تم نے اسے دی تھی اور پھر جب پولیس وہاں پہنچی تو وہ وہاں موجود نہیں تھا۔ تو کروں نے بتایا کہ ڈیڑھ بجے ایک آدمی موڑ سائکل پر آیا تھا۔ غالباً وہ تم تھے۔ تمہاری واپسی کے بعد کچھ پولیس والے وہاں پہنچے اور کر ٹل جاوید کو اپنے ساتھ لے گئے۔“

”تو پھر میں اس مسئلے میں کیا روشنی ڈال سکتا ہوں۔“ انور نے کہا۔

”تم نہیں سمجھے۔“ آصف دوسرا سگریٹ سلاکتا ہوا بولا۔ ”پولیس والے اسے نہیں لانے۔“

"یقیناً تم اس وقت نئے میں ہو۔" انور بولا۔

"کہنے کا مطلب یہ ہے کہ پولیس کے بھیں میں کچھ نامعلوم آدمی اسے لے گئے۔"

"اوہ....!" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ظاہر ہے کہ ان آدمیوں سے میرا کوئی تعلق نہیں۔"

"میں یہ نہیں کہتا۔"

"پھر....!"

"تم جب کرٹل کے راز سے واقف تھے تو تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا۔"

"اول تو میں اس راز سے تمہارے جانے کے بعد واقف ہوا اور اگر فرض کرو کہ پہلے سے واقف بھی ہوتا تو یہ ضروری نہیں تھا کہ تمہیں اس سے مطلع کر دیتا۔"

"تمہیں اس کا علم کس طرح ہوا۔" آصف نے پوچھا۔

"جس طرح عموماً ہوا کرتا ہے۔"

"آخر کس طرح۔"

"سر کے بل کھڑا ہو گیا تھا۔ اسی حالت میں مر اقبہ کیا۔ متنیں بھر الہام ہونے لگا۔ اس کے بعد تم باد مرغی کی بولی بول کر سید حاکم ہو گیا و اللہ اعلم بالشواب....!"

"تو تم نہیں بتاتا چاہتے.... خیر....!" آصف نے کہا۔ "اب تک جتنی بھی وارداتیں ہوئی ہیں ان سب سے تمہارا کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہوتا ہے۔"

"اور آئندہ بھی جو وارداتیں ہونے والی ہیں ان میں بھی تم یہی محسوس کرو گے۔"

"یعنی....!"

"داراب سے باقاعدہ چھڑ گئی ہے۔"

"پھر تم داراب کو گھیث لائے۔"

"خیر دیکھنا....!" انور نے کہا اور سگریٹ کے گہرے کش لینے لگا۔

"کرٹل جاوید کی کوشی میں پولیس تعینات ہے۔" آصف نے کہا۔ "میں اس وقت وہیں جا رہا ہوں۔"

"ٹلاشی لینے پر کام کی بات معلوم ہوئی۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں میں ان سے کہہ آیا ہوں کیا تم وہاں چل سکو گے۔"

"ہاں.... ہاں کیوں نہیں۔ بھلا میں تمہارے کام نہ آؤں گا تو پھر کون آئے گا۔" انور انتہا ہوا بولا۔ پھر وہ رشیدہ کی طرف ڈاٹپ ہوا۔

”اگر مجھے دیر ہو جائے تو تم آفس پلی جاتا۔ میں سید حادیں آؤں گا۔“
انور اور آصف کر عل جاوید کی کوئی طرف روان ہو گئے۔
”ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔“ آصف بولا۔

”ایک کیا کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔“ انور نے کہا۔
”پھر تم نے مجھے غصہ لا لاش روئے کیا۔“ آصف گزر کر بولا۔
”بگڑو مت پیارے، میں جھوٹ نہیں کہتا اگر تم چاہتے تو اب تک جاوید کو ڈھونڈ نکالتے۔“
”وہ کس طرح...!“

”یہ بتاؤ کہ شیلارانی کے قتل کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔“ انور نے پوچھا۔
”کسی مقصد ہو سکتے ہیں۔ آصف نے کہا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کسی کی قابض کا نتیجہ ہو۔ ہو سکتا
ہے کہ خود کر قتل جاوید ہی نے اسے قتل کراویا ہو! یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کسی کے پیش دار ان حرب کا
ڈکار ہوئی ہو۔“
انور مسکانے لگا۔

”تم نے اس کے علاوہ کسی دوسرے امکان پر غور نہیں کیا۔“ انور نے کہا۔
”یعنی...!“

”کر عل جاوید کی دولت کا دوسرا حق دار...!“
”اوہ... لیکن اس کے متعلق ایسا سوچ بھی نہیں جاسکتا۔“
”کیوں؟“

”تمہاری مراد صابری سے ہے تا...!“
”قطعی...!“

”یکن وہ کافی باعزت آدمی ہے اور خود بھی کافی دولت مند ہے۔ میں اس سے ایک بار مل چکا
ہوں۔“

”آج کل وہ کہاں ہے۔“ انور نے پوچھا۔
”کہیں باہر گیا ہوا ہے۔“
”اس کا تجویزیں کا کارخانہ دیکھا ہے۔“
”ہاں...!“

انور خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کر عل جاوید کی کوئی میں پہنچ گئے۔ پہاںکے پر

پاہیوں کا پھرہ تھا۔ جن سے ایک خوش پوش نوجوان کھڑا الجھ رہا تھا۔ آصف کو دیکھ کر دونوں سپاہی خاموش ہو گئے اور نوجوان ان کی طرف مڑا۔

"اوہ صابر صاحب....! آصف اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"آخر یہ معاملہ کیا ہے۔" صابر آصف سے ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔ "میں کل رات کو باہر سے واپس آیا ہوں۔ کرٹل صاحب کہاں ہیں۔"

"یہ ایک افسوس ناک واقعہ ہے۔ صابر صاحب۔" آصف غم زدہ آواز میں بولا۔ اور انور نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ لئے۔ وہ صابر کو تیز نظروں سے گھوڑ رہا تھا۔ آصف صابر کو واقعات بتانے لگا۔ بار بار صابر کا منہ حرمت سے کھل جاتا تھا۔ خصوصاً شیارانی والے وافعہ پر تو وہ ہمہ تن استقباب بن گیا تھا۔

"یہ میرے لئے ایک بالکل نئی اطلاع ہے۔" صابر بے چینی سے ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔ "آخر کرٹل صاحب کہاں عائب ہو گئے۔"

"عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ شیارانی کے قتل میں انہیں کا ہاتھ ہے۔ اسی لئے وہ روپوش ہو گئے ہیں۔" آصف نے کہا۔

"نا ممکن قطعی ناممکن، میں اس پر یقین نہیں کر سکتا۔ اگر بھی بات تھی تو انہوں نے خود ہی شیارانی کے راز سے پر دہ کیوں اختیا۔ آخر اس میں بھی ان کی کوئی چاٹھی۔ جب بھی روپوش نہیں ہو سکتے تھے۔ اگر یہ بات ہوتی تو وہ پولیس کو اپنی ذات سے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے۔"

"ایک انہوں نے یہ راز ظاہر ہو جانے کے بعد پولیس کو قتل کی اطلاع دی تھی۔" آصف نے کہا۔

"تو پھر انہیں پولیس کو خود اطلاع دیتے بغیر عائب ہو جانا چاہئے تھا۔" صابر نے کہا۔ پھر تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد بولا۔ "یہ کوئی بہت بڑی سازش معلوم ہوتی ہے۔ آپ وثوق کے ساتھ تو کہہ نہیں سکتے کہ پولیس کو فون پر اس کی اطلاع دینے والے کرٹل صاحب ہی تھے کوئی اور بھی الگی حرکت کر سکتا ہے۔ شیارانی کے متعلق پولیس کے پاس کیا ثبوت ہے کہ وہ کرٹل صاحب کی لڑکی تھی، محض سنی سنائی باتوں پر یقین کر لینا داش مندی نہیں ہے کیا آپ نے اچھی طرح اطمینان کر لیا ہے کہ کرٹل صاحب کل رات یہاں کوئی پر موجود تھے۔ ایک بھی اس کے گواہ ہیں۔" آصف انور کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "یہ کل رات کو کرٹل صاحب سے ملے تھے جس کی شہادت کوئی نہیں کے ملazموں نے بھی دی ہے۔ اس کے جانے کے بعد کچھ نامعلوم اشخاص

پولیس کے بھیں میں کرتل صاحب کو کسی نامعلوم جگہ پر لے گئے۔

”آپ کی تعریف....!“ صابر نے انور کی طرف دیکھ کر کہا۔ جو قطعی بے تعلقی کے ساتھ سگریٹ کا دھواں فھائیں منتشر کر رہا تھا۔

”روزنامہ اشار کے کرامم رپورٹر مسٹر انور سعید۔“ آصف بولا۔

”ہوں...!“ صابر نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔ ”بھلا آپ ان سے کیوں ملنے آئے تھے؟“ ”پہنچ نی غزل سنانے کے لئے۔“ انور انتہائی خوش اخلاقی سے بولا۔ ”اس شہر میں بہت کم ایسے لوگ ملتے ہیں جو میری شاعری کی قدر کر سکیں۔ مو صوف مجھے بے حد چاہتے تھے۔“ آصف کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ انور نے اسے گھور کر دیکھا۔

”بہر حال صابر صاحب، بہت اچھا ہوا کہ آپ تشریف لے آئے۔ آپ کی موجودگی میں اٹھیتانا سے تحقیقات کر سکوں گا۔“ آصف بولا۔

وہ تینوں کو بھی میں آئے۔

”میں دراصل اس قسم کا کوئی ثبوت مہیا کرنا چاہتا ہوں کہ شیلارانی کر عل صاحب کی لڑکی تھی۔“ آصف بولا۔

”ضرور مہیا کیجئے۔“ صابر نے کہا، ”لیکن مجھے اس کہانی پر یقین نہیں آتا۔“

”کسی کو نہیں آسکتا۔“ انور سنجیدگی سے بولا۔ ”انتہائی بے سروپیات ہے۔“

آصف پھر حیرت زدہ انداز میں انور کی طرف دیکھنے لگا۔

”شیلارانی کے متعلق آپ کی اپنی تحقیقات کا نتیجہ کیا لکھا۔“ آصف سے صابر نے پوچھا۔

”ابھی تک تو کچھ نہیں۔“ آصف نے کہا۔ ”میں کرتل صاحب کے کاغذات دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”ہاں ہاں.... ضرور.... ضرور....!“ صابر نے کہا۔

آصف اور انور متعدد کروں میں چیزوں اور کاغذات کا جائزہ لیتے رہے تھے۔ صابر بھی ان کے ساتھ تھا۔ ایک کرے میں پہنچ کر دفعہ صابر اچھا اور اس کے منہ سے استقباب زدہ آوازیں نکلنے لگیں۔

انور اور آصف اس کی طرف مڑے، صابر کی تحریر آمیز نظریں سامنے رکھی ہوئی ایک قد آدم تجوہی پر جمی ہوئی تھیں۔

”ڈاکہ.... صریحی ڈاکہ....!“ صابر آہستہ سے بڑا بڑا۔

”کیا مطلب....!“ آصف پوچک کر بولا۔

”آپ اس تجوری کی طرف دیکھ رہے ہیں۔“ صابر نے کہا۔
آصف نے سر پلا دیا۔

”یہ تجوری میں نے خاص طور سے اپنی مگرائی میں تیار کرائی تھی۔“ صابر نے کہا۔
”وہ تو سب کچھ ہے۔“ آصف اکتا کر بولا۔ ”ابھی آپ ڈاکے کا نہ کر رہے تھے۔“
”اس تجوری کو کسی نے غلط طریقے سے کھوا ہے۔“ صابر نے کہا۔ ”کرع صاحب ایسا نہیں
کر سکتے تھے۔“

”مگر تجوری تو بند ہے۔“ آصف نے کہا۔

”یہ دیکھئے ادھر آئیے یہاں آپ ایک ابھری ہوئی سرخ لکیر دیکھ رہے ہیں نا، بھی اس بات کی
دلیل ہے کہ اس تجوری کو کسی ایسے آدمی نے کھولنے کی کوشش کی ہے جو اس کے صحیح استعمال
سے واقف نہیں تھا اور ادھر یہ تیر کا نشان یہ ظاہر کر رہا ہے کہ اس وقت بھی اس کا تالا بند نہیں
ہے اور اس کا تالا کسی اوزار کی مدد سے توڑا گیا ہے۔ کنجی سے نہیں کھولا گیا۔ تجوری کا چینڈل دیکھئے
یہ ڈھکنے کے کنارے سے پینٹا لیس درجے کے زاویے پر ہے۔ یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ تالا
بند نہیں ہے، ورنہ یہ نوے درجے کے زاویے پر ہوتا۔“

”اگر فرض کیجئے کہ اس میں سے کوئی چیز چرانی گئی ہے تو اس کا علم کس طرح ہو گا۔“ آصف
نے کہا۔ ”میا آپ کو معلوم ہے کہ اس میں کون کون سی چیز رکھی جاتی تھیں۔“
”نہیں میں تو نہیں جانتا۔“

”یہ ایک اور دشواری ہوئی۔“ آصف متکرانہ انداز میں بولا۔

اس کے بعد مکمل سکوت چھا گیا۔ ہر ٹھنڈی اپنی جگہ پر کچھ نہ سوچ رہا تھا۔
وقتاً تجوری کے اندر سے کمر کھڑا ہٹ کی آواز سنائی دی اور صابر چونک پڑا۔
کمر کھڑا ہٹ کی آواز ایک منٹ تک جاری رہی۔ پھر ایک قہقہہ سنائی دیا۔ تجوری کے اندر
سے کوئی کہہ رہا تھا۔ ”کیوں؟ انور دیکھ لیا تم نے دارا بے راستے میں آنا بھی سکھیں نہیں ہے۔
میں پھر تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ پولیس کو بھلکنے دو، تم ان معاملات میں دخل نہ دو اور آپ انھیں
صاحب، آپ خود کو بہت بڑا نجیسز سمجھتے ہیں۔ اب اس وقت اس طرح منہ کھولے کیوں کھڑے
ہیں بتائے نا میں کہاں سے بول رہا ہوں۔“

اور پھر ایک قہقہہ سنائی دیا اور آواز آنی بند ہو گئی۔

صابر کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ انور نے اس طرح ہوٹ بنا رکھ تھے جیسے سیٹی

جانے کا راہ کر رہا ہو۔ آصف، بھی صابر کی طرف دیکھتا تھا اور بھی انور کی طرف۔ ”خدا کی خدمت یہ بالکل نبی چیز ہے۔“ صابر تجوری کی طرف جھپٹا ہوا بولا۔ دوسرا لمحہ میں تجوری کا ہینڈل اسکے ہاتھ میں تھا۔ ہاتھ کو جنیش ہوئی اور تجوری کا پٹ کھل گیا اور ساتھ ہی تجوری سے ایک گیت بلند ہوا کوئی عورت ستار اور طبلہ پر گاری تھی۔ صابر تجوری کے پاس سے ہٹ گیا۔ گیت جلد ہی ختم ہو گیا۔

”دیکھ رہے ہیں آپ تجورن بالکل خالی ہے۔“ صابر نے آصف سے کہا۔

”قطیعی دیکھ رہا ہوں۔“ آصف نے کہا۔ ”مگر یہ آوازیں۔“

”ابھی آپ نے جو گیت سنادہ میری ہی کاری گزی ہے۔ مگر پہلی آواز کا میں ذمہ دار نہیں۔“ قریب آئیے یہ دیکھنے اس ہینڈل کا تعلق اندر لگے ہوئے ایک گراموفون سے ہے جسے ہی ہینڈل گھمایا جاتا ہے یہ چھوٹا ساری کارڈ بنجنے لگتا ہے۔ یہ میں نے اس لئے بنایا تھا کہ اگر کوئی چور رات کو کھولنے کی کوشش کرے تو گیت کی آواز سے گھروالے جاگ پڑیں۔ ... لیکن وہ پہلی آواز ...“ صابر اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

انور کے چہرے پر ایک پُر اسرار مسکراہٹ پہلی رہی تھی۔ وہ ان سب باتوں کو اتنی لاپرواں سے سن رہا تھا جیسے کوئی ہوش مند آدمی کسی پچھے سے اس کے کھلونے کی آواز سنتا ہے۔ لیکن وہ قطعی خاموش تھا۔

”آصف صاحب....!“ صابر مڑ کر بولا۔ ”شاید میرا دماغ خراب ہو جائے گا۔ میری سمجھی میں نہیں آتا کہ میں کیا سمجھوں۔“

آصف سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”اس تجوری میں ایک چھوٹا سا ٹرائنسیٹر رکھا ہوا ہے۔“ صابر نے کہا۔ ”جس کا میری ذات سے کوئی تعلق نہیں اور وہ پہلی آوازیں شاید اسی ٹرائنسیٹر سے آئی تھیں.... تجوری کھولنے والے نے شاید یہ ٹرائنسیٹر بھاٹ رکھا ہے۔“

”یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔“ انور نے کہا۔ ”ممکن ہے کہ کرع صاحب ہی نے رکھا ہو۔“

”یہ بھی ہو سکتا ہے۔“ صابر بے چینی سے بولا۔ ”لیکن تجوری خالی کیوں ہے۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ آپ یہ جانتے ہیں کہ اس تجوری میں کیا رکھا جاتا تھا۔“ انور نے کہا۔

”میں دلوقت کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔“ صابر بولا۔ ”لیکن جہاں تک میرا خیال ہے وہ اس میں اپنے جواہرات رکھتے تھے۔“

”جو اہرات!“ آصف چونک کر بولا۔

”جی ہاں! یہ بات تو کافی مشہور ہے کہ کرٹل صاحب کے پاس بعض بیش قیمت جواہرات ہیں۔“ صابر نے کہا۔

”خود آپ نے کبھی نہیں دیکھا۔“

”نہیں نہ میں نے کبھی دیکھنے کی خواہش ظاہر کی اور نہ کرٹل صاحب نے دکھائے۔“

”قدرتی بات ہے۔ آصف صاحب۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”ظاہر ہے کہ وہ کرٹل صاحب کے بعد صابر صاحب کی ہی ملکیت ہوتے۔ اسٹئے صابر صاحب کی سیر چشمی کوئی خیرت انگیز بات نہیں۔“ صابر انور کو گھورنے لگا۔

”تو جناب آصف صاحب یہ معاملہ بالکل صاف ہو گیا کہ ان وارداتوں میں داراب کا ہاتھ ہے۔“ انور نے کہا۔ ”اب دیکھنا یہ ہے کہ داراب اور کرٹل صاحب میں کیا تعلق ہے۔“

”تب تو پولیس کی جدو جہد بالکل بیکار ہے۔ پولیس نے اس کا کیا بنا بگاڑ لیا ہے۔“

”ایسا نہ کہے صابر صاحب۔“ آصف نے کہا۔ ”کوئی مجرم ہمیشہ آزاد نہیں رہ سکتا۔“

”ایک نہ ایک دن خداوند تعالیٰ اسے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیتے ہے۔“ انور نجیدی سے بولا اور صابر بے اختیار خس پڑا۔ آصف نے منہ سکوڑ لیا لیکن وہ پکڑ بولا نہیں۔

”اس ٹرانسپلیر پر مجرم کی انگلیوں کے نشانات ضرور ہوں گے۔“ آصف نے کہا۔

سکریٹ کیس

”ضرور ہوں گے۔“ انور نے کہا۔ ”اچھا ب میں چلا۔“

”کیوں...!“

”اُبھی تک کوئی ایسی سننی خیز بات نہیں معلوم ہوئی، جو مجھے دلچسپی لینے پر مجبور کر سکے۔“

”یہ ٹرانسپلیر۔“ آصف نے کہا۔

”ہاں ہاں... ٹرانسپلیر میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ یہ کوئی اسکی بات نہیں، اس سے داراب کو پکڑنے میں کوئی مدد نہیں مل سکتی۔ وہ نہ جانے کہاں سے بولا ہو گا زیادہ سے زیادہ تم اس کے ذریعہ وہ سمت معلوم کر لو گے جدھر سے آواز آئی ہے۔ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اچھا ب میں آفس چاؤں گا۔“

انور انہیں دیں چھوڑ کر آفس کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں اسے خیال آیا کہ اس نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا۔ اس نے ایک ریستوران کے سامنے موڑ رکھ دی۔

چائے کی چکلی لیتے وقت اس نے سگریٹ کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا پھر دوسرے جیب میں۔ پتوں کی جیسیں بھی دیکھیں، لیکن سگریٹ کیس نہ ملا۔ انور نے مسکرا کر ایک طویل سانس لیا اور کسی نئے حادثے کے لئے تیار ہو گیا۔ اس کی ڈائری ایک بار مصیبت کا باعث بن چکی تھی۔ وہ سوچنے لگا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ سگریٹ کیس کس حادثے کی اطلاع ہے۔ لیکن اسے کوئی پریشانی نہ تھی۔ وہ زندگی کو ایک جوئے سے زیادہ و قوت نہ دیتا تھا۔ باریا جیت اس کے علاوہ کوئی اور تیری چیز نہیں ہو سکتی۔ زندگی کی اس عظیم جدوجہد میں اگر ایک بار وہ پس بھی گیا تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔ دنیا بدستور اپنے راستے پر چلتی رہے گی۔ اس کے بعد کوئی دوسری گوشت پوسٹ کی مشین اس کی جگہ لے لے گی۔ پھر پریشانی کس بات کی۔

اس نے دیش کو آواز دے کر سگریٹ مٹا کیں اور ایک لٹا کر کری کی پشت سے نکل گیا۔ ریستوران میں کافی بھیز تھی۔ شاید ہی کوئی میز خالی رہی ہو۔

"اوہ تو تم یہاں ہو! کسی نے پیچھے سے اس کے کامنے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ آواز نسوانی تھی۔ انور نے پیچھے مڑے بغیر لٹکھیوں سے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا جو اس کے کامنے پر رکھا ہوا تھا۔ ایک نرم و نازک خوبصورت ہاتھ، انگلیاں خوبصورت اور سبک ہی انگوٹھیوں سے مزین تھیں اور پھر ایک نوجوان عورت اس کے برابر کی کری پر بیٹھ گئی۔ انور اس کی طرف مڑا اور وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"اوہ معاف کرنے کا مجھے غلط فہمی ہوئی۔" وہ ندامت آمیز انداز میں بولی۔

"کوئی بات نہیں ہے تشریف رکھئے۔" انور انہیانی خوش اخلاقی اور شرافت سے بولا۔ وینے بھی اس وقت کوئی میز خالی نہیں ہے، مجھے آپ سے مل کر مرت ہو گی۔"

اور اس کی خوش اخلاقی کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ اس نے ابھی اپنے کوٹ کے نچلے جیب میں ایک وزن سامگوس کیا تھا اور اب بھی محسوس کر رہا تھا۔ بظاہر وہ اس کی طرف سے لاپرواں برستا رہا وہ فور آئی یہ نہیں ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اس کا سگریٹ کیس ابھی ابھی حرث انگیز طریقے پر اس کی جیب میں واپس آگیا ہے۔

انور نے اپنے چہرے پر اور زیادہ شرافت کے آثار پیدا کئے اور وہ کسی دیوتا کی طرح محصوم نظر آنے لگا۔

عورت بیٹھ گئی۔

"میں کیا بتاؤں کہ آپ میرے دوست سے کتنی مشابہت رکھتے ہیں۔" عورت مسکرا کر بولی۔

"اللہ پاک بڑی شان اور قدرت والا ہے۔" انور محیث مولویانہ انداز میں بولا۔

"آپ چائے بنیں گی یا کافی۔"

"اوہ شکریہ۔ اس کی زحمت نہ کیجئے۔" عورت نے کہا۔ "میں خود منگوالوں گی۔"

"آپ میرا دل توڑ رہی ہیں۔ فرض کیجئے میں آپ سے دوستی پیدا کرنا چاہتا ہوں تو...!"

انور مسکرا کر بولا۔ "اس کے بعد آپ یقیناً مجھے اپنے گھر پر بلا کر چائے پلا کیں گی۔ اس کے بعد میں آپ کو مدعا کروں گا۔ اسی طرح زندگی بھر ہم دونوں ایک دوسرے کو دعویٰ تی دیتے رہیں گے اور پھر زندگی میں سوائے کھانے پینے کے اور رکھاہی کیا ہے۔ آپ مجھے پیغام بھیں گی لیکن ایسا نہیں میں صرف چٹورا ہوں۔ پیغام اور چٹورے میں بڑا فرق ہے۔ پیغام ہر چیز پیغام بھر کر کھانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن چٹورا دنیا کی ساری چیزیں ذرا ذرا اسی چات کر چھوڑ دیتا چاہتا ہے۔ چات پر مجھے بارہ مصالحے کی چاٹ یاد آگئی۔ مگر شاید یہاں اس ریستوران میں نہ ملے۔ میری باتوں کا نہ امت مانتے گا۔ میں ذرا پچھے بے وقوف سا آدمی ہوں۔ ویسے دل کا نہ انہیں۔"

عورت ہنسنے لگی۔

"آپ واقعی دلچسپ معلوم ہوتے ہیں... ایک اچھے دوست ثابت ہوں گے۔" عورت نے اپنا ہند بیگ میز کے نیچے رکھ کر آرام سے بیٹھنے ہوئے کہا۔

انور نے میرے کو آواز دے کر چائے اور پیش روں کا آرڈر دیا۔ پھر عورت کی طرف جک کر رازدارانہ لبپر میں کہنے لگا۔

"اس ریستوران کے سارے دیش مجھے یہ وقوف سمجھتے ہیں۔ اچھا آپ تھیں ایمانداری سے بتائیے کہ میں صورت سے بھی یہ وقوف معلوم ہوتا ہوں۔"

"قطیٰ نہیں...!" عورت شرات آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"جیسی ہم اچھے دوست ثابت ہو سکتے ہیں۔" انور اور بھی رازدارانہ انداز میں بولا۔ "میرا خیال ہے کہ میں کافی خوبصورت آدمی ہوں۔ لیکن لوگوں نے یہ وقوف مشہور کر دیا۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ کوئی لاکی مجھ سے شادی کرنے پر رضامند نہیں ہوتی۔ خیر میں نے بھی تہبی کر لیا کہ تمام عمر شادی نہ کروں گا۔ ویسے بھتری لاکیاں میری دوست ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ بے وقوف کے دونوں گال خود بخود پھر کتے رہتے ہیں۔ ذرا دیکھئے کیا اس وقت میرا بیاں گال پھر کر رہا ہے یا نہیں۔"

ذرا اور قریب سے دیکھئے۔“

عورت جھک کر دیکھنے لگی۔ بچ چانور کا بیالاں گال خود بخود پھر ک رہا تھا۔ عورت ہنسنے لگی۔
”یہ دیکھئے... یہ دیکھئے... داہنا بھی پھر کنے لگا۔“

عورت جھک کر دیکھنے لگی۔ اس دوران میں انور نے جیب سے سگریٹ کیس نکالا اور اسے میر کے نیچے رکھے ہوئے پینڈ بیک میں ڈال دیا۔ عورت کو خبر سکن نہ ہوئی۔ وہ بدستور انور کے گالوں کی پھر کن دیکھ دیکھ کر بھتی رہی۔

”ہاں تو یہ ہے میری دکھ بھری داستان۔“ انور سیدھا ہو کر بولا۔ ”اب بتائیے آپ کو میں بے وقوف لگتا ہوں یا نہیں۔“

”قطی نہیں۔“ عورت سنجیدہ بننے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔

”خدا آپ کو خوش رکھ آپ چلی عورت ہیں جس نے مجھے یہ وقوف نہیں سمجھا۔ چائے پیجئے۔“ انور نے اس کے کپ میں چائے انڈیلیتے ہوئے کہا۔

عورت اس دوران میں بار بار اپنی گھڑی کی طرف دیکھتی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے وقت کا برا خیال ہے۔

”اب ہم دونوں اس طرح ملتے رہیں گے۔“ انور نے بچکانے انداز میں کہا۔

”ضرور ضرور...!“ عورت مسکرا کر بولی۔ ”واقعی آپ بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔“

”میں شاعر بھی ہوں۔“ انور آگے کی طرف جھک کر بولا۔

”اوہ... اچھا...؟ تب تو آپ سے مل کر اور بھی خوشی ہوئی۔“

”میرے والد صاحب بھی شاعر تھے۔“

”اچھا...!“

”دوا صاحب بھی اور پردا دادا بھی۔“

”تب تو آپ واقعی بہت اچھے شاعر ہوں گے۔“ عورت نے مسکرا کر کہا۔ ”کبھی ہماری طرف بھی آئیے گا۔ ایک سو میں آسکر شریٹ میں رہتی ہوں۔“

”اور آپ کے...!“

”میں ابھی پڑھ رہی ہوں۔“ عورت جلدی سے بولی۔

”اوہ ہو ہو۔“ انور بچوں کی طرح ہستا ہوا بولا۔ ”تب تو میں ضرور آؤں گا۔ تو آپ واقعی مجھے یہ وقوف نہیں سمجھتیں۔“

”نبیں قطبی نہیں۔“

”اگر آپ مجھے یہ تو فد سمجھیں تو میں آپ کا نام پڑھنے کی جرأت کروں۔“

”میرا نام بخوبی ہے۔“

”آپ بچ پنج بخوبی ہیں۔“ تم معنی ستارہ آپ کی آنکھیں ستاروں کی طرح پچھدار ہیں۔۔۔۔۔ مگر

آپ دمدار ستارہ نہیں، میں نے سنا ہے کہ دمدار ستارہ منہوس ہوتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔“

”آپ تھیک کہتے ہیں۔“ عورت مسکرا کر بولی۔

”میرا نام انور سعید ہے“ انور مسکرا کر بولا۔ ”لوگ مجھے کروڑ پتی سمجھتے ہیں، لیکن مجھے تو

یقین نہیں آتا۔“

”تو پھر آپ بچ پنج کروڑ پتی ہیں۔“

”پتہ نہیں! ممکن ہے افواہ ہو۔“

”آپ واقعی بہت دلچسپ آدمی ہیں۔“ عورت گھری دلکھ کر اپنا چند بیک میز کے پنج سے اٹھاتی ہوئی بولی۔

”تو کیا چل دیں۔ میں بہت اداس ہو جاؤں گا۔“

”مجھے جلدی ہے گیارہ بجے میرے ایک عزیز بाहر سے آ رہے ہیں۔ انہیں لینے کے لئے اشیائیں جاؤں گی۔“

”خیر....!“ انور اداسی سے بولا۔ ”پھر کب ملیں گے۔“

”کل کسی وقت ہمارے گھر آئیے۔“ عورت نے کہا اور انور سے ہاتھ ملا کر چند بیک اٹھاتے ہوئے باہر چل گئی۔

انور اٹھ کر گھر کی کریب آیا وہ باہر ایک چھوٹی سی خوبصورت کار میں بیٹھ رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے کار اشارت ہو گئی اور انور اپنی میز پر لوت آیا۔ بیڑے کو بلا کر جلدی جلدی مل ادا کیا اور باہر نکل آیا۔

اور پھر جس طرف کار گئی تھی اسی طرف اس کی موڑ سائیکل بھی جاری تھی۔ انور کی آنکھیں شراحت آمیز انداز میں چک رہی تھیں، لیکن پھر جلد ہی اس کے چہرے پر مخصوصیت پہنچ لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ابھی کبھی کسی عبادت گاہ سے لوٹا ہو۔

ابھی تک وہ کار سے نہیں دکھائی دی تھی۔ غالباً بہت زیادہ رفتار سے روانہ ہوئی تھی لیکن انور اپنی جوابی کار و اوپر کی طرف سے مطمئن تھا۔

وہ تھوڑی ہی دور گیا ہو گا کہ سامنے سڑک پر بھیڑ دکھائی دی۔ شاید کوئی اوش ہو گیا تھا اور پھر اس انبوہ میں اسے وہ کار دکھائی دی جس کے تعاقب میں وہ روانہ ہوا تھا۔ انور کے ہوتوں پر مسراہت پھیل گئی۔ اس مسراہت سے درندگی اور سفاکی جھلک رہی تھی۔ اس ولی نظرؤں میں وہی آسودگی تھی جو ایک درندے کی نظرؤں میں پائی جاتی ہے۔ اس وقت جب کہ اس کا شاندار شکار بالکل اس کے قابو میں آگیا ہو۔

انور نے موڑ سائیکل فٹپاٹھ کے قریب کھڑی کر دی اور خود بھیڑ میں آگیا۔

تجھے کار کی اگلی سیٹ پر پڑی کراہ رہی تھی۔ اس کی بائیں ران کے پرچے اڑ گئے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا یہی کسی نے قیمہ کر کے رکھ دیا ہو۔ پینڈ بیک کے چھترے سڑک پر پڑے سے سُلگ رہے تھے اور کار کے اندر بارود کی بو پھیلی ہوئی تھی۔

پولیس آگئی تھی۔ سب انسپکٹر نے کہیں سے ایک ایجو لینگمنگوائی اور زخمی عورت کو اس پر ڈال کر ہسپتال کی طرف لے جانے لگا۔ کار سڑک کے کنارے کھڑی کر دی گئی۔ انور نے کہی آدمیوں سے اس حادثے کے متعلق پوچھنے کی کوشش کی لیکن کسی نے کوئی تسلی بخش جواب بتا دیا۔ کسی کو نہیں سے یہ نہ معلوم ہو سکا تھا کہ حادثے کی نوعیت کیا تھی۔ پھر انور چوراہے کے سپاہی کی طرف متوجہ ہوا۔

”کچھ بھجے میں نہیں آیا۔“ سپاہی بولا۔ ”کار یہاں سے گذر رہی تھی کہ دفلٹ ایک دھماکہ ساول دیا اور پھر ایک چیخ۔ کار رک گئی اور عورت اس حال میں نظر آئی۔ میرا خیال ہے کہ شاید اس کے پاس کسی تم کا تم تھا جو پھٹ گیا۔“

”اس نے کچھ بتایا بھی.....!“ انور نے پوچھا۔

”کچھ نہیں، بہر حال ایک ناگ تو بے کار رہی ہو گئی یا شاید مر جائے۔“

انور موڑ سائیکل لے کر سیدھا ہسپتال کی طرف روانہ ہو گیا اور اس کرے میں نہیں کیا جس میں وہ رکھی گئی تھی۔ اندر شاید پولیس اس کا بیان لے رہی تھی۔ انور باہر ہی نہ ہمارا ہے۔ وہ اندر بھی جا سکتا تھا لیکن اس نے مناسب نہیں سمجھا۔

تھوڑی دیر بعد ایک سب انسپکٹر اندر سے آیا۔ انور اسے اچھی طرح پہنچانا تھا۔

”کیوں جتاب آخر آپ پہنچتے گئے۔“ اس نے انور سے کہا۔

”ہاں جتاب اسی کی روٹی کھاتا ہوں۔“ انور بولا۔

”اس نے بیان دیا ہے کہ کسی نے اس کی کار پر تم پہنچنا تھا۔“ سب انسپکٹر نے کہا۔

"اور آپ نے اس پر یقین کر لیا۔"

"کیوں؟ یقین کیوں نہ کیا جائے۔"

"اگر فرض کیجئے خود اسی کے پاس بھر رہا ہو تو۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"وہ ہے کون؟"

"ایک معزز آدمی کی بیوی ہے۔"

"یعنی...!"

"بیشل آئڑن درکس کے فیجر کی بیوی ہے۔"

"اوہ.... اچھا....!" انور نے کہا اور اس کے ذہن میں پے در پے کئی سوال گونج اٹھے۔

"میں نے اسے فون کر دیا ہے وہ آہی رہا ہو گا۔" سب انپکٹر نے کہا اور دوسرا طرف چلا گیا۔ انور تھوڑی دیر تک کھڑا سگریٹ پیتا رہا پھر دفعتاً ہسپتال کی کپاؤٹ سے باہر چلا گیا۔ پھانک کے قریب ہی چائے کی ایک چھوٹی سی دکان تھی۔ انور دہاں جا کر بینچ گیا۔ چائے کیلئے کہہ کر دروازے کے قریب کری ٹھیکیت لایا۔ بہاں سے ہسپتال کے اندر جانے والے صاف دھماکی دے رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ایک کار پھانک میں داخل ہوئی۔ انور نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ دوسرے لمحے میں وہ ایک کانٹہ کے گلے پر بامیں باتھ سے لکھ رہا تھا۔

داراب کے لئے دوسرا چوتھا، لیکن مجھے اپنے قبیلی سگریٹ کیس کے ضائع ہونے کا افسوس ہے۔ آندھہ کی ملاقات میں اس کی قیمت وصول کرنی جائے گی۔

انور وہ کانٹہ مٹھی میں دبائے ہوئے ہسپتال کی کپاؤٹ میں آیا۔ تھوڑی دیر قبل جو کار اندر داخل ہوئی تھی پوری کیوں میں کھڑی نظر آئی۔ انور نے وہ پرچہ اس کی اگلی سیٹ پر ڈال دیا اور پھر اسی کری پر آگر بینچ گیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد کار اندر سے واپس آئی اور مشرق کی طرف مزگتی۔ انور کی موڑ سائیکل کافی فاصلے سے اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ کار شہر کے بار و نقش بازاروں سے گزرتی ہوئی ایک دیران راستے پر ہوئی۔ انور کو مجبور آپنی موڑ سائیکل کی رفتار کم کر دینی پڑی۔ وہ تقریباً چار فرلانگ پہنچے جا رہا تھا۔ دفعتاً اسے خیال آیا کہ وہ سڑک آگے جا کر ختم ہو گئی ہے۔ پھر اس کے بعد ایک دریا ہے۔ وہ اکثر اس طرف تفریج ہائکل آیا کرتا تھا۔ ایک خیال تجزی سے اس کی ذہن میں

گوئیجا اور اس نے موڑ سائکل روک کر ایک طرف کھڑی کر دی۔ دوسرے لمحے میں وہ ایک اوپنے درخت پر بندہ کی سی پھرتی کے ساتھ چڑھ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سب سے اوپنی شاخ پر پہنچ گیا۔ اس کے گرد و پیش میلوں تک گھنی جھونپڑیاں اور سر بزر میدان پھیلے ہوئے تھے۔ دریا کے کنارے ایک طرف چھوٹی چھوٹی جھونپڑیاں تھیں جن سے تقریباً ذیزد یادو فرلاگ کے قاطلے پر ایک بڑی سی پختہ عمارت تھی۔ جنگ کے زمانے میں اس میں کوئی سرکاری کارخانہ تھا اور جنگ کے خاتمے پر اسے کسی نے کراچے پر لے لیا تھا۔ انور کی نظریں اس کار پر جھی ہوئی تھیں۔ دفعتاً اس نے ایک گہر انسانی لیا اور اس کے ہوتنوں پر سکراہٹ پھیل گئی۔ وہ کار اسی عمارت کی کپاؤندہ میں داخل ہو رہی تھی۔

انور درخت سے اتر آیا۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر سگریٹ کا پیکٹ نکلا لیکن دوسرے ہی لمحے میں جھینجلا کر اسے سڑک پر چل دیا کیونکہ وہ نہ جانے کب کا خالی ہو چکا تھا اور پھر اس کی موڑ سائکل شہر کی طرف واپس جا رہی تھی۔ وہ اس وقت صرف سگریٹوں کے متعلق سوچ رہا تھا۔ جیب میں اتنے پیے بھی نہ تھے کہ شہر پختہ ہی سگریٹ خرید لے جاتے۔ بہر حال دفتر پختہ سے قبل اسے سگریٹ نہیں مل سکتے تھے۔ ایک گھنٹے کے بعد وہ دفتر میں بیٹھا سگریٹ پر سگریٹ پھوک رہا تھا۔ آج کی خبریں مکمل ہو جانے کے بعد اس نے سو دہائی ٹینٹر کے کمرے میں بیجوادیا اور پھر روزانہ پختہ والے جاسوسی ناول کی قط لکھنے لگا۔ آج کے کارنا میوں تک کی اطلاع اس نے رشیدہ کو دفتر میں آتے ہی دی تھی۔ رشیدہ نے اس پر کچھ تبصرہ بھی کرنا چاہا تھا لیکن انور نے یہ کہہ کر اسے روک دیا تھا کہ وہ اپنا کام مکمل کئے بغیر کسی قسم کی گفتگو کرنا پسند نہ کرے گا۔

جاسوسی ناول کی قط لکھنے کے بعد اس نے ایک طویل انگڑائی اور سگریٹ سلاکر کر کسی کی پشت سے نکل گیا۔ رشیدہ اس دوران میں کئی بار اس کے کمرے میں جھاک کر واپس جاچکی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر کام کرتے وقت وہ اس کے پاس گئی تو وہ اسے بڑی بے مردی کے ساتھ کمرے سے نکال دے گا۔

وہ پھر آئی اور یہ دیکھ کر انور کام ختم کر چکا ہے کمرے میں چلی آئی۔

”تم بچ بہت خطرناک ہوتے جا رہے ہو۔“

”میں فرشتوں سے زیادہ مخصوص ہوں۔“ انور کے چہرے پر مخصوص تھیں۔

”آس بے چاری کا نہ جانے کیا شر ہوا ہو گا۔“

”بہر حال ہم نہیں سکتی۔“ انور نے کہا ”ابتدہ سگریٹ کیس میرے جیب میں پھٹتا تو ...“

میری تھی غزل تاکمل رہ جاتی۔“

”تمہارا دوسرا قدم کیا ہو گا۔“

”میرا دوسرا قدم، دوسرا قدم ہو گا۔ ظاہر ہے کہ وہ تیسرا قدم ہرگز نہیں ہو سکتا۔“

”چھر بد حواس ہوئے تم....!“

”تمہاری آنکھیں بہت حسین ہیں۔“

”اتھی جلدی سارے سکریٹ پی ڈالے۔“ رشیدہ من بنانے کا بولی۔

”مگر اور نہیں آج کچھ آمدنی کی توقع ہے۔ میں داراب س اپنے سکریٹ کیس کی قیمت میں

جرماتہ اور برپا دی وقت وصول کروں گا۔“

”کیوں خواہ مخواہ جان کیوار ہے ہو۔“ رشیدہ بولی۔

”ڈرپاک نکل جاؤ یہاں سے۔“ انور گھوڑ کر بولا۔

”میں ڈرپاک نہیں ہوں۔ لیکن میں جھیں تھا وہاں نہ جانے دوں گی۔“

”بکومت.... میں تھا جاؤں گا۔ تم بعد میں آسکتی ہو۔ سنو قریب آؤ۔“

رشیدہ اس کے قریب کریں کھسکالا ای اور انور آہستہ آہستہ اس سے باتمیں کرتا رہا۔ پھر ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر اسے دھا ہوا بولا۔ ”یہ ساری چیزیں کسی دوافروش کے یہاں مل جائیں گی۔“

رشیدہ چلی گئی۔ انور نے کپوزیٹ کو بلوا کر جاسوں ناول کی قطع اسی کے حوالے کی اور انھوں کو کمرے میں ٹھیٹے لاگ۔

اس کا ذہن رات کی جگ کا نقش مرتب کر رہا تھا۔ اس کے دل میں ذرہ برا بر بھی پھیل پاہٹ نہیں تھی۔ اسے اپنی کامیابی پر اس طرح تاز تھا جیسے وہ اپنے ساتھ ایک بہت بڑی فوج لے جانے کا ارادہ رکھتا ہو اور پھر چند لمحوں کے بعد اس نے یہ سارے خیالات اپنے ذہن سے نکال پھیکے اور ان سکرینوں کے متعلق سوچنے لگا جو رشیدہ اس کے لئے خریدنے گئی تھی۔

تموڑی دیر بعد رشیدہ واپس آگئی۔ سکرینوں اور سکریٹ کیس کے ساتھ اس نے چھوٹا سا

پکٹ بھی میز پر رکھ دیا۔

انوکھا پستول

انور نے صفووف کی تھوڑی تھوڑی مقدار لے کر انہیں سمجھا کیا اور ان میں ایک بونڈ پانی ڈال کر چھوٹی چھوٹی گولیاں بنائیں۔ پھر چند سگر ٹھوں کا تمباکو ٹکال کر میز پر پھیلا دیا۔ تھوڑی دیر کی محنت کے بعد اس کے چہرے پر آسودگی اور اطمینان کے آثار نظر آنے لگے۔ رشیدہ خاموش بیٹھی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

”آخر اس کا مطلب....!“ رشیدہ بولی۔

”اس ترکیب سے تمباکو ذرا اتیز ہو جاتا ہے۔“

رشیدہ نے اس طرح منہ بھیجا جیسے اسے یقین نہ آیا ہو۔

”اب گھر بھی چلو گے یا نہیں، پانچ نجھ رہے ہیں۔“ رشیدہ نے کہا۔

”میں نے اسکیم بدل دی ہے تم تھا گھر جاؤ، موڑ سائکل لیتی جاؤ اور پھر پارہ بچے کے بعد تمہیں اختیار ہے۔“

”معلوم ہوتا ہے کہ تم تھا چندی سے بیزار ہو گئے۔“

”نہیں زندگی سے پیدا ہے البتہ اس صورت میں ضرور زندگی سے بیزار ہو سکتا ہوں جب اس میں یکسانیت پیدا ہو جائے۔“

”اگر یہی ہے تو پھر زندگی میں نیا پن پیدا کرنے کے لئے دوسرے طریقے بھی ہیں۔“ رشیدہ مسکرا کر بولی۔

”وہ کیا...؟“

”جب زندگی میں یکسانیت محسوس ہونے لگے تو آنکھیں بھینچ کر گدھے کی بولی بولنا شروع کر دیا کرو۔ اگر کوئی قریب ہو تو دلتیاں بھی جھاڑ سکتے ہو۔ اگر اس سے بھی تشفی نہ ہو تو اپنے پتلوں میں پچھے کی طرف سرخ رنگ کا ایک لمبا فیٹہ نکالو۔“

انور نے قہقهہ لکھا اور رشیدہ بھی ہنسنے لگی۔

"بعض اوقات بہت پیاری لگتی ہو۔"

"پھر تم نے مکھن کا ذبہ کھولا۔ اب کیا بات ہے۔ سگریٹ بھی تو لادیے۔"

"تم کیا یہ سمجھتی ہو کہ میں فقیر ہوں۔" انور نے بحث کر اپنا پس میز پر لٹ دیا۔ اس میں سے ایک دونی گر پڑی۔

رشیدہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"آج رات کو میں کافی امیر ہو جاؤں گا۔" انور سمجھدی گی سے بولا۔

"یہ لمحہ۔" رشیدہ نے دس دس کے دونوں انور کے سامنے ڈال دیے۔

"ٹکری یہ.... ٹکری۔" انور نوٹ سیٹ کر جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ "آج رات کو مع سو در سود و اپس کر دوں گا۔"

"آج تمھیں شام کی چائے بھی یاد نہیں رہی۔" رشیدہ نے کہا۔

"نہیں منگوادا۔" انور نے کہا۔ "آج میں یہاں سے نوبجے سے پہلے نہیں نکلوں گا۔"

"یوں....؟"

"میاں تم تجھ یہ چاہتی ہو کہ میری غزل تاکمل رہ جائے گی۔"

رشیدہ نے چڑپاہی کو آواز دے کر چائے لانے کو کہا اور پیار بھری نظروں سے انور کی طرف دیکھنے لگی۔

"کیا کاث کھانے کا ارادہ ہے۔" انور سہم کر بولا۔

رشیدہ بچھلا گئی اور اس نے اپنا خلاہونٹ دانتوں میں دبایا۔

"تم انسان نہیں ہو۔" وہ مایوسانہ انداز میں بولی۔ "تم تجھ مجھ میں بن کر رہ گئے ہو۔"

"اور یہی آدمیت کی معراج ہے کہ آدمی پر دکھ اور سکھ کا کوئی اثر نہ ہو، خوشی اور رنج دونوں اس کے لئے بے معنی الفاظ ہو کر رہ جائیں۔ اگر دنیا یوں نا کے قدیم... فلسفیوں کے نقش قدم پر چلی ہوتی تو آج نہ کوئی تپ دق میں جلا ہوتا اور نہ خوشی کی زیادتی کی وجہ سے کسی کا ہارت فیل ہوتا۔"

"تو پھر آدمی کو آدمی کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

"مبت کہو....!" انور لاپرواٹی سے بولا۔ "جودل چاہے کہہ لو۔"

"مگر دکھ اسکے اختیاری چیز نہیں ہیں۔ کسی احساس کو دبایا تو جاسکتا ہے لیکن یہ ناممکن ہے کہ مرے سے احساس ہی نہ ہو۔"

"میں اثر کی بات کر رہا تھا، احساس کی بات نہیں۔ یہ دونوں نوعیت کے اعتبار سے بالکل مختلف ہیں۔ کسی جذبہ کا ہم پر جو اثر ہوتا ہے وہ داخلی نہیں بلکہ صدھا سال کے خارجی تجربات کا نتیجہ ہے اُسے یوں سمجھ لو کہ....."

"بس بس ختم کرو فلفٹ.....!" رشیدہ آتا کر بولی۔ "میں اپنا دامغ چھلنی نہیں کرائا چاہتی۔ میرا بس چلتے تو تمہاری کتابوں کے ذہیر میں آگ لگادوں۔"

اسنے میں چپر اسی چائے لایا۔

"خیر خیر لو چائے پیو۔" انور نے کہا۔ "یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ایک دن تم بھی میری ہی طرح سوچنے پر مجبور ہو جاؤ گی۔"

رشیدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سر جھکائے چائے بنانے لگی۔

"آخر تم نے یہ پیشہ کیوں اختیار کر رکھا ہے کسی یونیورسٹی میں پروفیسری کے لئے کیوں نہیں کوشش کرتے۔"

"چائے پینو....!" انور نے اسامنہ بنا کر بولا اور دوسرا طرف دیکھنے لگا۔

"تم آخر پولیس کو ساتھ لے کر کیوں نہیں حملہ کرتے۔" رشیدہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

"نہیں.... آج میں سگریٹ کیس کی قیمت وصول کروں گا اس کے بعد دیکھا جائے گا۔"

"چچ تمہارا دامغ خراب ہو گیا ہے۔"

"دامغ خراب ہونا کوئی نبی بات نہیں۔ میری طرف دیکھو.... کتنی رسیلی ہیں تمہاری آنکھیں اور تمہارے نعلیٰ ہونٹ کا درمیانی خم تو قیامت ہے اور یہ سلسلے ہوئے گاں معلوم ہوتا ہے، شعلے نکل پڑیں گے، تم مسکراہی ہو۔ اسے کیا شفقت پھولی ہے اور یہ موتی جیسے دانت۔ شفقت میں تارے.... رشو کہیں چچ تم سے محبت نہ کرنے لگوں۔ سکر نہیں رشو میں درودل سے بہت گھبراہوں۔ بعض اوقات ریا یعنی درودل بھی ہونے لگتا ہے، جو مددے کی صفائی کے بعد بالکل نہیں ہو جاتا ہے۔ درود بھکریں قائل نہیں۔ ہاں بعض حالات میں درود گردہ ہو سکتا ہے۔ دیے درود کوئی بھی اچھا نہیں ہوتا۔ بعض دردوں کی وجہ سے مجھے اردو شاعری سے نفرت ہو گئی ہے۔ مجھے درودل سے زیادہ درود اچھا لگتا ہے۔"

"ہاں ہاں.... بعض اس لئے کہ ایک بار تمہیں تلخ تجربہ ہو چکا ہے۔" رشیدہ ہنس کر بولی۔

"یہ بات نہیں رشو! میں نے ایک بار تفریح امتحان کی تھی۔ مگر وہ تفریح نہ ثابت ہوئی۔ اس لئے میں نے دوسرا کوشش نہیں کی۔"

"لیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں۔"

"مجھے صرف تمہاری مردگانی سے پیار ہے۔" انور نے کہا۔ "اتھی حسین ہونے کے باوجود بھی تم میں نسایت بہت کم ہے۔"

"تم غلط سمجھتے ہو۔ میں سو فائدہ عورت ہوں۔"

"صرف جسمانی ساخت کے اعتبار سے۔"

"آخر چھوڑا تم پھر آہستہ آہستہ قفلے اور سائنس کی طرف آرہے ہو۔" رشیدہ اکتا کر بولی۔
"اچھار شو! اب تم جاؤ۔" انور گھر کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "آج کی رات میری لئے ایک حسین رات ہو گی اور ہاں دیکھو مجھے یقین ہے کہ باہردار اپنے اندھر آنے گے تو اسے روک دینا۔ اس سے کہنا کہ میں اندر نہیں ہوں۔ پھر تم اس سے کہنا کہ تم میری موڑ سائکل لئے جا رہی ہو اور وہ مجھے اس کی اطلاع دے دے گا۔"

"یہ ساری گفتگو زراوچی آواز میں ہوئی چاہئے۔ سمجھیں! اچھا اب جاؤ۔"

"بھی تم پولیس کی مدد کیوں نہیں لیتے۔" رشیدہ جھٹکا کر بولی۔

"کہہ تو دیا کہ مجھے سگریٹ کیس کی قیمت وصول کرنی ہے۔"

"تمہاری ضد تو بڑی خطرہ اک ہوتی ہے۔"

"رشواب تم جاؤ ورنہ میں قائم تھام سے محبت کرنے لگوں گا۔" انور نے اٹھ کر اسے دروازے کی طرف دھکیتے ہوئے کہا۔

"رشیدہ سمجھ گئی کہ وہ ایک نہیں سنے گا۔ آخر کار وہ اپنالپر اٹھا کر چلی گئی۔" انور نے چپر اسی کو بلایا۔

"دیکھو یہ چائے کے برتن لے جاؤ۔ میں نوبے سکھ یہاں بیٹھوں گا لیکن باہر کسی کو اس کا علم نہ ہونے پائے کہ میں یہاں موجود ہوں اور وہاں اس طرف ٹھن کا دروازہ باہر سے بند کر کے تالا ذال دینا تاکہ کوئی ادھر آنے نہ پائے۔ غالباً تم سمجھ گئے ہو گے، میں ادھر کی کھڑکی سے نکل جاؤں

گا۔ لُک جاؤ۔۔۔ انعام کل۔۔۔!

چپر اسی چائے کے برتن سمیٹ کر باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد انور نے ایک الماری کھول کر منہرے رنگ کے سرخی مائل بال نکالے اور اپنے گالوں پر کوئی سیال شے لگا کر ان میں وہ بال چپکانے شروع کر دیئے۔ پھر اسی طرح موچیں بنائیں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ کوئی خوبصورت فتحم کا جائزہ معلوم ہونے لگا۔ وہ تھوڑی دیر تک آئینے میں اپنی ڈاڑھی کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کے بعد قپچی نکالی اور بے ترتیب بالوں کو برادر کرنے لگا۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد اس نے آئینے پر اوداعی نظر ڈالی اور اسے پھر الماری میں رکھ دیا۔ وہ اب ایک معمر اگریز پادری معلوم ہو رہا تھا۔ گھری نے آٹھ بجاتے اور انور آرام کری پر گر کر اوٹکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ابھی گھری نیند سو جائے گا۔ ایک گھنٹے تک وہ اس طرح بے حس و حرکت پڑا رہا جیسے اس میں ہاتھ چیرہ بلانے کی بھی سکت نہ رہ گئی ہو۔ جیسے، ہی کلاک نے نو بجائے وہ اٹھ بیٹھا لیکن اب اس میں پہلی سی تو انائی نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو تھا جیسے وہ برسوں سے بیمار ہو۔ آنکھیں دھندا گئی تھیں۔ پھرے پرم دنی چھا گئی تھی۔ اس نے آہست سے گھر کی کھوی اور برآمدے میں سنا تھا۔ نیچے پرلس کی مشینوں کی گھرگز زابہت سنائی دے رہی تھی۔ انور نے سوچا کہ کیوں نہ بینیں اپنے اس بھیں کا امتحان کرے۔ اپنی کمر کو قدرے جھکا کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا اسٹنٹ ایڈیٹر کے کمرے کی طرف بڑھا۔ اس کی سماں اس طرح پھول رہی تھی جیسے وہ دمہ کا مریض ہو۔ اسٹنٹ ایڈیٹر کے کمرے میں سامنے پہنچ کر وہ تین بار کھانا اور اس کی سانس اور زیادہ پھولنے لگی۔

”سیا میں اندر آ سکتا ہوں۔“ وہ دروازے کے پاس پہنچ کر بھرا تھی ہوئی آواز میں اگریزی میں بولا۔

”ضرور۔۔۔ ضرور۔۔۔!“ اسٹنٹ ایڈیٹر اپنی کمری پر میدھا ہو کر بولا۔

انور ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور ہاضم ہو۔ دہاتھا جیسے وہ لفٹکو کرنے سے پہلے اپنی ابھی ہوئی سانسوں پر قایو حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

”مسٹر۔۔۔ آن۔۔۔ ہوف۔۔۔ انور۔۔۔ کہاں ملیں گے۔۔۔“

”اوہ۔۔۔ وہ تو گھر چلے گئے ہیں۔ کیا آپ کو ان کے گھر کا پتہ معلوم ہے۔۔۔“

انور نے لفٹی میں - بلادیا۔ اسٹنٹ آئیٹھر نے ایک کاغذ پر انور کا پتہ لکھ کر دے دیا۔ وہ تھوڑی دیر تک بین بانچتا ہا پھر آئیٹھر کا شکر یہ اوکر تاہو اوس کے کمرے سے نکل گیا۔ برآمدے سے نکل آرہہ زینے طے کرتا ہوا فٹ پا تھوڑے پر آگیا۔ اس کا خیال صحیح تھا۔ ایک آدمی بھلی کے سمجھے کے پاس کھڑا آفس کے صدر دروازے کی طرف تاک رہا تھا اور وہ اسی کے قریب کھڑا ہو کر کھانے لگا۔ اس آدمی نے دو تین بار اسے گھور کر دیکھا پھر جیب سے سکریٹ نکال کر سلاکا نے لگا۔

”اب کوئی نیکی بھی نہ کھائی دے گی۔“ انور جھلاہٹ میں بڑیوں نے لگا۔ ”اور میں یہیں ختم ہو جاؤں گا۔“

اس آدمی نے اسے پھر ایک بار گھور کر دیکھا اور اس کی زہری اور جراشیم آمیز سانسوں سے بچتے کے لئے دوسری طرف کھکھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد ایک نیکی دکھائی دی۔ انور نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔

”میں پول ہوئی !“ وہ نیکی میں بیٹھتا ہوا ذور سے بولا۔ نیکی چل پڑی۔ انور نے باہر کی طرف دیکھا۔ وہ آدمی بدستور وہیں کھڑا تھا۔

”میں پول ہوئی نہیں سیتا گھاٹ !“ انور نے کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد کہا۔

”اچھا صاحب !“ ڈرائیور نے کہا۔ ”کیا واپسی بھی ہو گی۔“

”نہیں۔“

”تو صاحب کرایہ دیکھا پڑے گا کیونکہ واپسی میں وہاں سے خالی آنا پڑے گا۔“

”پرواہ مت کرو !“ انور نے جھلا کر کہا۔

نیکی دیر ان راستے پر ہوئی۔ سیتا گھاٹ سے تقریباً ایک میل اوہر ہی انور نے نیکی روکا۔ اور کرایہ ادا کر کے نیچے اتر گیا۔ ڈرائیور دیر انے میں اتنے کام مطلب نہ سمجھ سکا۔ وہ کچھ خوف زدہ سانظر آنے لگا تھا۔ کرایہ ملتے ہی اس نے نیکی شہر کی طرف موڑ دی اور کافی تیز رفتار سے چل پڑا۔ انور نے ایک سکریٹ نکال کر سلاکا نی اور تیز قدموں سے گھاٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔

چاروں طرف گہرائندہ تھا۔ سانٹے میں اس کے قدموں کی آہٹ دوستک گونج رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دریا کے کنارے بنی ہوئی عمارت کے کپاڈٹھ میں داخل ہو رہا تھا۔ باہر کوئی

نہیں دکھائی دیا۔ اس نے بے آسانی چھانک کھولا اور احاطے میں گھس گیا۔ اب بوڑھوں اور مریضوں کی طرح نہیں چل رہا تھا۔ برآمدے پر بچنے کر اس نے دروازے پر دستک دی۔ ایک آدمی نے دروازہ کھول کر باہر سر نکلا۔

”کون ہے۔“

”بے وقوف یہ رکی باتوں کا وقت نہیں ہے۔“ انور اسے دھکا دے کر اندر گھتا ہوا بولا۔

”سردار کہاں ہیں۔“

”اوپر.... لیکن.... لیکن....!“

”اوہ وقت مت بر باد کرو۔“ انور جھینچلا کر بولا۔ ”مجھے راستہ بتاؤ آگے چلو... آگے چلو!“

انور نے اسے جلدی جلدی کہہ کر آگے بڑھانا شروع کر دیا۔ وہ اس کے آگے چلنے لگا۔

”جو کام ہوتا ہے، گڑ بڑ ہوتا ہے۔“ انور بڑ بڑا نے لگا۔ ”سب سور ہے ہیں۔ کیا تم تیز نہیں

چل سکتے۔“

راتے میں دو ایک آدمی اور ملے، جو انور کو تیز نظر وہ سے گھور رہے تھے۔

”تم سب اسی طرح سوتے رہنا اچھا۔“ انور تیز قدموں سے چلا ہوا ان سے قبھرے

انداز میں کہتا گیا۔

پھر وہ دونوں سیر ہیوں پر چڑھنے لگے۔ اوپر ایک ہی قطار میں کمی کر رہے تھے۔ آخری سرے پر ایک اور زینہ تھا، جو تیسرا منزل کے لئے تھا۔ ایک کرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ اس آدمی نے اس طرف اشارہ کیا۔

”اچھا باب تم جاؤ۔“ انور آہستہ سے بولا۔ ”چھانک پر نظر رکھنا جو کوئی بھی اندر واٹھ ہونے کی کوشش کرے اسے فوراً کوئی مار دیتا۔ اچھا باب جاؤ۔ جلدی کرو۔ تم سب اُدھر کا خیال رکھنا۔

وہ آدمی نیچے اتر گیا۔ انور کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ آہستہ آہستہ اس کرے کی طرف بڑھا۔ دروازے کھلے ہوئے تھے۔ لیکن ایک سیاہ رنگ کا پردہ در میان میں حائل تھا۔ انور نے چھانک کر دیکھا۔ وہی ڈاڑھی والا اجنبی ایک بڑی سی میز پر بیٹھا کچھ کاغذات دیکھ رہا تھا۔

انور پر وہ ہٹا کر کرے میں داخل ہو گیا۔ اجنبی چوک کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں انور کا پستول جیب سے نکل آیا تھا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔“ انور نے آہستہ سے کہا۔

”تم کون ہو....!“ وہ ہاتھ اوپر اٹھاتا ہوا بولा۔

”کوئی غیر نہیں ہوں۔“ انور نے مسکرا کر کہا۔ ”میں بھی چہرے پر نقی ڈالا جسی لگانا جانتا ہوں۔ میں تم سے جھگڑا کرنے نہیں آیا۔ میں اپنے سگریٹ کیس کی قیمت چاہتا ہوں۔“

”لوہ.... انور....!“ وہ مسکرا کر بولا۔ ”آخر کار تم نے میرے نمکانے کا پتہ لگایا اور اپنے ساتھ پولیس بھی لائے ہو گے۔ لیکن تم یہاں تک کیسے پہنچ۔ کیا میرے سب آدمی گرفتار ہو گئے۔“ ”نہیں قطعی نہیں۔ وہ سب نیچے گل چڑھے اڑا رہے ہیں۔ میرے لئے کوئی چیز ناممکن نہیں۔ تمہارا خیال غلط ہے میں بالکل تھا ہوں۔ اگر مجھے سگریٹ کیس کی قیمت نہ دصوں کرنی ہوتی تو یقیناً اپنے ساتھ پولیس لاتا۔“

”اگر یہ بات ہے تو پستول جیب میں رکھ لو۔ میں اب بھی تم سے سمجھو ہو کرنا پسند کروں گا۔“

”حالانکہ آج تمہاری وجہ سے ایک عورت زخمی ہو گئی ہے جسے میں بے حد چاہتا ہوں۔ لیکن

تم نے اس کے خلاف پولیس کو کوئی بیان نہیں دیا۔“

”اسی سے تم میری نیت کا اندازہ لگا سکتے ہو۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”مجھے صرف اپنے سگریٹ کیس کی قیمت چاہئے۔“

”کتنی قیمت چاہئے ہو۔“

”صرف تین سورو پے۔“

”بس....!“ وہ مسکرا کر بولا۔

”میں تم سے کوئی سودا کرنے نہیں آیا اور نہ تم ان تین سورو پوں میں مجھے خرید سکتے ہو۔ میری قیمت تم نہیں ادا کر سکتے اور پھر اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اگر مجھے یہی کرنا ہو گا تو جب چاہوں گا تمہیں بیچ بازار میں لوٹ لوں گا۔“ انور سنجیدگی سے بولا۔

”خیر.... خیر....!“ وہ میر کی دراز کھول کر نوٹوں کا بندل نکالتا ہوا بولा۔ ”یہ لو! میں تم سے جھگڑا کرنا نہیں چاہتا۔“

اس نے کچھ نوٹ گن کر انور کی طرف بڑھا دیئے لیکن دوسرے ہی لمحے میں انور کو ایک گہرے صد میں کا سامنا کرنا پڑا۔ نوٹ تو اس کے ہاتھ میں آگئے لیکن پستول اس کے ہاتھ سے نکل،

کردار اب کے ہاتھوں میں بیٹھ چکا تھا۔ اس نے قبچہ لگایا۔

"داراب سے الجھنا بھی کھیل نہیں انور۔ اب میں تمہیں چوہے کی موت مار داؤں گا۔"

"خیر میں مرنے کے لئے تو ہر وقت تیار رہتا ہوں۔" انور نوٹوں کو کوٹ کے اندر ونی جیب میں رکھتا ہوا بولا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ داراب اس کی اس لاپر وائی پر جلا گیا۔ اس نے نشان لے کر پستول کی لبی دبادی۔ مگر اس میں سے گولی کے بجائے ایک سگریٹ نکل کر انور کی گود میں آگرا۔ انور نے قبچہ لگایا۔

"یہ پستول نہیں بلکہ پستول نما سگریٹ کیس ہے پیارے۔"

داراب نے جلاہٹ میں پستول انور پر بیٹھ گیا۔ اس نے ہاتھوں پر روک کر جیب میں رکھ لیا اور سگار لائٹر سے سگریٹ سلاکا نے لگا۔

"دیکھو داراب میں اس قسم کے ہتھیار اپنے پاس نہیں رکھتا جن سے شور پیدا ہو۔ میں عموماً گلا گھونٹ کر مارتا ہوں۔" انور منہ سے سگریٹ کا گنجان دھوائیں نکالتا ہوا بولا۔

"لیکن اب تم یہاں سے چکر نہیں جاسکتے۔ میں تمہیں بہت لذیت دے کر ماروں گا۔"

داراب گرج کر بولا اور ساتھ ہی اس کا ہاتھ میز پر لگے ہوئے ایک بٹن پر ڈال۔ سارے مکان میں بے شمار گھنٹیاں بجتے گئیں۔ لیکن انور کے اطمینان میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ بدستور بیٹھا سگریٹ پیتا رہا۔

باہر کئی قدموں کی آہیں سنائی دیں اور تین چار آدمی کرے میں گھس آئے۔

"بیٹھ جاؤ۔۔۔ داراب اب مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔" انور پر اطمینان لجھے میں بولا۔

"مت بکو۔۔۔!" داراب چینا۔

"تم نے شیلارانی کو کیوں قتل کیا۔"

"میری خوشی۔۔۔!"

"تم کرتل جاوید کیوں انخوا کر لائے۔"

"تم سے مطلب۔۔۔!"

"مطلب یہ کہ تم مجھے قتل نہیں کر سکتے اور ہاں صابر کو کب ختم کر رہے ہو۔ اس کے بغیر کی

بیوی تو تمہاری محبوبہ نکلی۔"

"تم دیکھنا کہ کس بے دردی سے تم مارے جاتے ہو۔" داراب بڑا بڑا۔
 "ایساں کہو پیارے میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔"
 "بکواس بند کرو۔" داراب پھر چینا۔

"مہماںوں سے ایسا بر تاؤ نہیں کیا کرتے اور تم سے بچ کرتا ہوں کہ اس وقت تم سب کی
 جانیں میری مٹھی میں ہیں۔ تم اس سے زیادہ حق ثابت ہوئے ہو جتنا میں تمھیں سمجھتا ہوں۔"
 "میا بکتے ہو۔"

"یقین نہ آئے تو اس سگریٹ کے ٹکڑے کی طرف دیکھو۔" اور جلتے ہوئے سگریٹ کا ٹکڑا
 فرش پر ڈالتے ہوئے بولا اور پھر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ دفعتاً سگریٹ کے ٹکڑے سے ایک
 چکدار شعلہ لکلا۔ اس کی روشنی اتنی تیز تھی کہ ان سب کی آنکھیں خرہ ہو گئیں اور پھر کمرے میں
 سفید رنگ کا گہرا دھواں پھر گیا۔ اتنا گہرا کہ ایک فٹ دور کی چیزیں بھی نہیں دکھائی دے رہی
 تھیں۔ انور نے ایک جست اگائی اور کمرے سے صاف نکل گیا۔

خوفناک درندہ

انور باہر نکل کر نیچے کی طرف چھپنا مگر کچھ اور آدمی اوپر آرہے تھے۔ وہ اوپری منزل کے
 زینوں کی طرف پلت پڑا۔ اوپری منزل بالکل دیر ان تھی۔ یہاں کمرے نہیں تھے۔ چھت بالکل
 سپاٹ تھی۔ ایک طرف لکڑی اور لوہے کا انبار تھا۔ کچھ بڑے بڑے پیچے بھی رکھے ہوئے تھے۔
 "اوپر گیا ہے.... اوپر گیا....!" کچھ آوازیں سنائی دیں اور انور خالی چیزوں کی آڑ میں دبک گیا۔
 سامنے ایک بڑا سا پتھر پڑا ہوا تھا۔ انور کے ذہن میں ایک نیا خیال پیدا ہوا۔ اس نے نیچے جھاک کر
 دیکھا۔ دریا ہریں لے رہا تھا۔ زینوں پر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور انور نے وہ پتھر اٹھا کر دریا میں
 پھینک دیا۔ ایک زبردست چھپا کے کی آواز آئی۔

"کوو گیا.... کوو گیا....!" کسی نے کہلا۔ کئی ٹارچوں کی روشنیاں دریا کی سطح پر پڑ رہی تھیں۔
 "چلو.... چلو.... نیچے کرنے نہ پائے.... نیچے کشی موجود ہے۔"

وہ پتھر اٹھے پاؤں بھاگتے ہوئے نیچے چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد انور نے پتھر جھاک کر نیچے

دیکھا۔ چار پانچ آدمی ایک کشٹی پر بیٹھے دریا میں پھر لگا رہے تھے۔ اس نے پیوں کی آڑ سے نکل کر ایک طویل انگڑائی میں اور خود بخود مسکرنے لگا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر پیٹ کے بل جھپٹ پر لیٹ گیا۔ آہستہ آہستہ رنگلتا ہوا جھپٹ کے دوسرا سے کنارے پر نکل گیا۔ تھوڑی دور ہٹ کر داہنے طرف ایک چھوٹا سا پاپ سپ نیچے سک کچلا گیا تھا اور تقریباً اس فٹ نیچے دیوار میں کافی چوڑی کارنس تھی۔ انور پاپ کے سہارے کارنس پر اتر آیا اور دیوار سے چپکا ہوا اس درخت کی طرف بڑھنے لگا جس کی شاخیں دیوار کو چھوڑتی تھیں۔ وہ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ اُسے پھر رک چانا پڑا۔ آگے اس کمرے کی کھڑکی تھی جس میں داراب سے وہ ملا تھا۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ انور نے آگے بڑھ کر اندر جانکا۔ کرہ خالی تھا۔ دفعتاً اس کے ذہن میں کچھ نئے قسم کے کیڑے کلبلائے اور وہ آہنگ سے کمرے میں اتر گیا۔

وہ میز کی طرف گیا اور پنسل اٹھا کر کچھ لکھنے لگا۔ اچانک باہر قدموں کی آواز سنائی دی۔ انور چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ میز کے پیچے بڑی سی لکڑی کی الماری رکھی ہوئی تھی۔ دوسرا سے لمحے میں وہ اس الماری کے پیچے تھا۔ کمرے کا دروازہ کھلا اور داراب دو آدمیوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

”تم لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ڈوب گیا۔“ داراب نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے ان آدمیوں سے کہا۔ اس کی نظر کا نقد پر پڑی جس پر انور نے کچھ لکھا تھا۔

”اے....!“ وہ بے اختیار اچھل پڑا۔ چند لمحے عینکی لگائے کا نقد کی طرف دیکھتا رہا پھر ان آدمیوں کو مخاطب کر کے بولا۔ ”دیکھا تم نے.... یہ دیکھو.... وہا بھی اسی کمرے میں تھا۔ وہاب بھی یہیں قریب ہو گا۔“

”ہمارے آدمی اُسے جہاڑیوں میں حلاش کر رہے ہیں۔“ ایک نے کہا۔

”اب اس کا خاتمہ ہی بہتر ہے۔“ داراب بولا۔ ”مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ مجھے پہلے ہی اسے ختم کر دینا چاہئے تھا۔ میں نے یہ سوچا تھا کہ کام کا آدمی ہے اگر کسی طرح اپنے ساتھ مل جائے تو کیا کہتا.... یہ اچھی طرح سمجھ لو کر اگر وہ اس وقت بیچ کر نکل گیا تو ہمیں یہ عمارت چھوڑنی پڑے گی۔ ابھی پولیس کو ہماری جائے رہائش کا علم نہیں ہوا۔“

”کہیں وہ ہمارے کسی آدمی پر اندر چیرے میں وارث کرے۔“ ایک بولا۔

”مطمئن رہو۔ اُس کے پاس پستول نہیں ہے۔“

”تو کیا وہ نہتا ہم لوگوں میں گھس آیا ہے۔“ ایک آدمی متینہ انداز میں بولا۔

”میرا خیال ہے کہ اس کا دماغ خراب ہے، بہر حال اس کا زندہ رہتا ٹھیک نہیں.... کم بخت

جوک کی طرح پٹ جاتا ہے۔“

انور الماری کے پیچے بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ لیکن اچانک ایک نئی مصیبت نازل ہوئی۔ یہ بخت اس وقت تاک میں سرسر اہٹ کہاں سے؟ اس نے لاکھ کوشش کی..... مگر چھینک آئی گئی..... اور چھینک بھی اسکی فلک شکاف کہ کرہ گونج کر رہ گیا۔ انور کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ چھینک نہیں بلکہ رائفل کی گولی تھی، جو اس کے سینے سے پار ہو گئی۔ اس کے ہاتھ پر ڈھیلے پڑ گئے اور دوسرے ہی لمحے میں داراب پستول لئے اس کے سامنے کھڑا تھا۔

”بآہر نکلو....!“ داراب گرج کر بولا۔

انور چپ چاپ ہاتھ انھائے ہوئے بآہر آگیا حالانکہ اس اچانک حادثے کی وجہ سے جس کے لئے وہ قطعی تیار نہیں تھا اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ مگر وہ برابر مسکرائے جا رہا تھا۔ داراب نے اس کا گربان پکڑ کر اپنے گروہ کے آدمیوں کی طرف، حکیل دیا۔ انور جیسے ان پر گرانہوں نے اپنے بیزوؤں میں جکڑ لیا۔

”ابھی پنجے ہو۔“ داراب طریقہ انداز میں قہقهہ لگا کر بولا۔

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ لیکن اب کوئی گنجائش نہ رہ گئی تھی۔ اگر وہ ان دونوں کی گرفت سے آزاد ہو بھی جاتا تو داراب کے پستول کی گولی اسے کب چھوڑتی۔

”لے چلو....!“ داراب دروازے کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ”مگرہ نمبر چار میں جہاں انور ہی کی نسل کا ایک فرد اس کا خیر مقدم کرے گا۔“

وہ دونوں انور کو کھینچتے ہوئے لے چلے۔ ان کے پیچے داراب پستول تانے چل رہا تھا۔

”تھاری ذرا سی حرکت جسمیں جہنم میں پہنچا دے گی۔“ داراب نے کہا۔

انور پر ستور خاموش رہا۔ وہ بغیر کسی چدوجہد کے چل رہا تھا۔ اس نے بھاگنے کی ذرا بھی کوشش نہ کی وہ بظاہر پر سکون نظر آ رہا تھا لیکن ذہن میں انتشار برپا تھا۔

وہ لوگ زینے ملے کر کے نیچے صحن میں آئے۔ ایک کمرے کے سامنے پہنچ کر دونوں رک گئے۔ دارا ب نے بڑھ کر کمرے کا دروازہ کھولا۔ اندر اندر جیرا تھا۔ انور کو اندر دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کر لیا گیا اور پھر فوراً کمرے کا باب رونٹ ہو گیا۔ سامنے نظر پڑتے ہی انور کے اوسان خطا ہو گئے۔ ایک خوفناک ریچہ ایک جالی دار کٹھرے سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کمرہ کافی بڑا تھا جس درمیان میں لوہے کی سلاخوں کو جالی دار کٹھرہ الگا کر دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ کٹھرہ چھٹ سے ملا ہوا تھا۔ کٹھرے کی چھوٹی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ قبل اس کے کہ ریچہ اس پر حملہ کرتا ہو چھٹ کر کٹھرے پر چڑھنے لگا۔ چھٹ کے قریب پہنچ کر وہ کٹھرے میں چھپلی کی طرح چپک گیا۔ مگر اس طرح جان بخشی مشکل تھی۔ ریچہ پہلے تو اسے تھوڑی دیر ملک نیچے سے دیکھتا رہا پھر اس نے بھی کٹھرے پر چڑھنے کی خانی۔ انور کے سارے جسم سے پیسہ چھوٹ پڑا۔ لیکن اس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کرنے لگا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے اپنی نائی کھول کر گردن سے سکھنے لی اور پھر سگار لاسٹر نکال کر نائی میں آگ لگادی۔ جب یہ یقین ہو گیا کہ آگ بجھ نہیں سکتی تو اس نے اسے کٹھرے پر چڑھتے ہوئے ریچہ پر پھینک دیا۔ جلتی ہوئی نائی اس کے گنجان بالوں سے چپک کر رہ گئی۔ ریچہ نے ایک بھیکچ جی نماری اور ترپ کر نیچے جا رہا۔ اسی کے ساتھ انور بھی اس طرح چیختے ہوئے ریچہ نے اس پر حملہ کر دیا ہو۔ باہر دارا ب کے قیقهے کی آواز سنائی دی۔ ریچہ زمین پر لوٹ کر اپنے بالوں میں لگی ہوئی آگ بجانے کی کوشش کر رہا تھا۔ انور برابر نیچے جا رہا تھا۔ وہ باہر کھڑے ہوئے آدمیوں کو اس بات کا یقین دلانا چاہتا تھا کہ ریچہ نے اس پر حملہ کر دیا ہے، ورنہ ممکن ہے کوئی اور نئی مصیبت نازل ہو جائے۔

دارا ب برابر نے چارہ تھا۔

”کیوں انور دیکھ لی دارا ب کی قوت....!“ وہ باہر سے جیکھ کر بولا۔

انور اندر سے چینا۔ ”اے.... اے.... بب.... نہیں.... نہیں.... خیر.... اے

بچاؤ.... خیر نہیں.... خچاؤ۔“

ریچہ ابھی تک زمین پر لوٹ رہا تھا اور اس کے حلق سے غصیلی آوازیں نکل رہی تھیں۔

انور نے اس دوران میں جیب سے روپاں بھی نکال لیا تھا تاکہ دوسرے حملے پر اسے بھی جلد

از جلد استعمال کیا جاسکے۔

تحوڑی دیر کے بعد رپچھ پھر انہ کر کٹھے کی طرف جھپٹا۔ رومال اور سگار لاسٹر پہلے ہی سے تیار تھے۔ جیسے ہی انور نے سگار لاسٹر جلا دیا۔ رپچھ غرا کر رپچھے ہٹ گیا انور ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد پھر جیختے لگا۔ اس نے ایک بار پھر سگار لاسٹر جلا کر رپچھے کو دھمکی دی اور رپچھ گھبرا کر کٹھے میں گھستے لگا۔ ابھی اس کا آدھا حصہ باہر ہی تھا کہ انور نے رومال میں بھی آگ لگا کر اس پر ڈال دیا۔ وہ جیچ کر اندر گھس گیا اور پھر زمین پر لوٹنے لگا۔ انور پھرتی سے نیچے اتر اور کٹھے کی کمزی کی بند کر کے رپچھ کے سامنے جیختے لگا۔

”آف... ہاؤ... ہاؤ... پھاؤ... باج باج... باوچ...!“

اور پھر اس کی آواز اس طرح ڈھتی گئی جیسے وہ ختم ہو رہا ہو۔ پھر دھلتا یا لکل خاموش ہو گیا۔ رپچھ بدستور غرائے چارہ تھا۔ انور نے ایک بار پھر سگار لاسٹر جلا دیا اور وہ سہم کر ایک کونے میں دبک گیا۔

”ختم ہو گیا۔“ پاہر سے آواز آئی اور قدموں کی آہنیں دور ہوتی گئیں۔

انور کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ فرشتوں جیسی مخصوص مسکراہٹ، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ابھی کچھ دیر قبیل وہ اس رپچھے کو تارک الدنیا ہو جاتے کا سبق دیتا رہا ہو۔ نیکی، سچائی اور ایمان داری کی تلقین کر تارہا ہو۔

کمرے میں چاروں طرف بڑے بڑے روشنداں تھے۔ وہ پھر کٹھے پر چڑھنے لگا۔ اختیاطاً اس نے سگار لاسٹر جلا دیا تھا۔ رپچھ دو تا گھوون پر کھڑا ہو کر دور ہی سے فوں فوں کر تارہ۔ انور روشنداں میں پہنچ پکا تھا۔ وہ تحوڑی دیر یعنی آہٹ لیتا رہا پھر دونوں ہاتھ پاہر نکال کر چھٹ پر پیٹکے اور دوسرا سے لمحے میں اس کا پورا جسم دائرہ بناتا ہوا چھٹ پر تھا۔ وہ آہٹ سے آہٹ سے بینے کے مل ریختے لگا۔ چاروں طرف سنانا تھا۔ وہ آگے بڑھتی رہا تھا کہ اسے قریب ہی کہیں پڑوں کی یو محosoں ہوئی۔ وہ اسی طرف بڑھنے لگا۔ آگے ایک چھوٹی سی کوئھری تھی جس میں دروازہ نہیں تھا۔ غالباً یہاں زمانہ جگ میں جب کہ یہ عمارت فوج کے قبٹے میں تھی یہاں سنتری کھڑا ہوتا رہا ہو گا۔ انور اس کے قریب جا کر رک گیا۔ پڑوں کی یو اس کے اندر سے آرہی تھی۔ وہ اس کے اندر گھس گیا۔ یہاں کئی کھستروں میں پڑوں رکھا تھا۔ انور کے دماغ میں پھر کیڑے کلبائے۔ وہ چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ایک طرف ایک موٹی سی رسی کا پچھا پڑا ہوا تھا۔ وہ کوئھری سے نکل کر

چھٹ کے کنارے پر آیا۔ نیچے اندر چھپلی ہوئی تھی اور دریا کے بھرے سینے پر ستاروں کا عکس ناق رہا تھا۔ انور نے لوٹ کر رسی کا لچھا کھولا اور اس کا ایک سراکوٹھری کے گرد باندھ دیا۔ پھر پڑول کے لئے نکال کر چھٹ پر اٹتے لگا۔ اور رسی کو بھی پڑول میں بھگو کر اس کا دوسرا سر ایچے پھینک دیا۔

چند لمحوں کے بعد وہ اسی رسی کے سہارے نیچے اتر رہا تھا۔ زمین پر چکتے ہی اس نے سب سے پہلے دریا میں اپنے ہاتھ دھونے اور پھر قسم سے دیوار کی طرف پلتا۔ پھر سگریٹ لائز جلا کر رسی میں آگ لگادی۔

اب وہ جھاڑیوں میں گھس کر گھنے جنگل کی طرف بھاگ رہا تھا۔ تھوڑی دور جا کر وہ پلتا۔ عمارت سے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ پھر شور بھی سنائی دینے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ وفتحاً دور کہیں موڑ سائیکل کی آواز سنائی دی اور انور نے بے تحاشہ سڑک کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ سڑک سکھ پہنچتے ہی پہنچتے موڑ سائیکل کی ہیئت لامیٹ دکھائی دینے لگی۔ وہ بدستور اسی طرف بھاگتا رہا۔ پھر اچانک سڑک کے بیچ میں آگر دونوں ہاتھ اٹھائے۔ موڑ سائیکل رک گئی اور سوار کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا۔

”رشو.... رشو.... میں ہوں۔“ انور نے کہا اور اس کے قریب پہنچ گیا۔

”تم....!“ رشیدہ ہنس کر بولی۔ ”یہ تم نے اپنے چہرے پر ڈالا ہمی کیوں لگا رکھی ہے۔“

”پھر ہتاوں گا....؟ تم فوراً اپس جاؤ۔ میں نے اس عمارت میں آگ لگادی ہے۔“

”اوے جنگلی....!“ رشیدہ ہنس کر بولی۔

”پستول لائی ہو تو مجھے دے دو.... اور ہاں یہ روپے رکھو سگریٹ کیس کی قیمت وصول کر لی

گئی۔ اچھا جاؤ۔ جلدی کرو۔“

”نہیں جاتی۔“

”ضد مت کرو۔ یہ لوگ اب یہاں سے کہیں اور بھاگیں گے اگر یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا تو پھر ان کا ہاتھ لگانا مشکل ہے۔“

”تو کیا ہوا ہم دونوں ساتھ رہیں گے۔“

”نہیں بلکہ ساتھ مریں گے۔“ انور جلا کر بولا۔

"یہ میری دلی خواہش ہے۔"

"میں چانس امدادوں کا۔"

"میرے بھی ہاتھ ہیں۔"

"خدا کے لئے جاؤ تم بیجاں سے۔" انور دانت پیس کر بولا۔

بدقت تمام اس نے رشیدہ کو واپس کیا اور پھر جگل میں گھس کر عمارت کی طرف چل پڑا۔ ایک طرف کچھ لوگ آگ بجانے میں مشغول تھے۔ غالباً یہ وہ ملاج تھے جو دریا کے کنارے جبو نپڑوں میں رہتے تھے۔ سڑک پر ایک بڑی سی لاری کھڑی تھی جس پر سامان لا دا جا رہا تھا۔ ایک آدمی کسی کو پیٹھ پر لادے ہوئے باہر آیا۔ اس کے ہاتھ پر رسمیوں سے جکڑے ہوئے تھے۔ اسے بھی لاری میں ڈال دیا گیا۔ انور نے مخفی خیز انداز میں سر ہلاکا اور جھاڑیوں میں دبکتا ہوا لاری کی طرف بڑھنے لگا۔ آہستہ آہستہ شور کم ہو تا جا رہا تھا۔ غالباً ان لوگوں نے آگ پر قابو پالیا تھا۔

معزز لٹیرا

تمن بجے رات کو انور اپنے فلیٹ میں بیٹھا رشیدہ کے سامنے اپنے کارناٹے دہرا رہا تھا اور رشیدہ بے تحاشہ بُس رہی تھی۔

"اور پھر وہ لاری چل پڑی۔" انور سکریٹ سلکتا ہوا بولا اور میں لاری کی چھت پر چلت لیٹا ہوا تاروں پھرے آسمان سے سر گوشیاں کر رہا تھا۔ بیچے داراب اور اس کے ساتھی میری شان میں قصیدہ پڑھ رہے تھے۔ میرے قتل کے لئے اسکے میں بھائی جاری تھیں اور میں ان کے سروں پر لیٹا ہوا ستاروں کو آنکھی مار رہا تھا۔ سگر شو میں تمہاری زندگی کا راز جانتا چاہتا ہوں۔ کیا واقعی تمہاری شخصیت اتنی نہ اسرار ہے جتنی داراب سمجھتا ہے۔"

"کیا مطلب....!" رشیدہ چوک کر بولی۔

"داراب تمہاری گرفتاری کے امکانات پر بھی غور کر رہا تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ اسے تمہارے متعلق ایک گھرے راز کا علم ہو گیا ہے اگر وہ کسی طرح تمہیں پکڑنے میں کامیاب ہو جائے تو لاکھوں روپے کمائے گا۔"

"کیا تم جس کہہ رہے ہو۔" رشیدہ بے اختیار کھڑی ہو کر بولی۔

"قطعی میں تم سے بھوت نہیں ہوتا۔ اسی لئے میں وہ راز جاننا چاہتا ہوں تاکہ تمہاری حفاظت کی جاسکے۔"

"تم میری حفاظت نہیں کر سکتے۔" رشیدہ آہستہ سے بڑھا ای۔ "میری حفاظت کا دار و دار ہر اس شخص کی موت پر ہے جو میرے راز سے واقفیت رکھتا ہے۔ داراب کا خاتمہ پھانسی کے تختے سے پہلے ہو جانا چاہئے۔"

"تو تم مجھے کچھ نہیں بتاؤ گی۔"

"میں ابھی بجور ہوں۔" رشیدہ فکر میں لجھ میں بولی۔ "ویسے میرے لئے سب کچھ تم ہی ہو۔"

"بجوری کیسی؟"

"تم نہیں سمجھتے اور نہ میں ابھی تمہیں کچھ سمجھا سکتی ہوں۔ اب یہاں میرا رہنا غیر ممکن نہیں۔ میں جارہی ہوں۔ تم کم از کم ایک بخش کی چھٹی کے لئے درخواست دے دیتا۔"

"لیکن تم جاؤ گی کہاں۔"

"کہیں اور.... اب میں یہاں قطعی غیر محفوظ ہوں۔ داراب کی موت سے پہلے میں تمہیں نہ مل سکوں گی۔ مگر وہ گروہ اب کہاں ہے۔"

"شہزاد پور کے شاہی سرانے میں۔ میرا خیال ہے کہ وہ عمارت بھی پہلے ہی سے ان کے قبضے میں تھی۔ لیکن رشو! میں تمہیں اس طرح نہ جانے دوں گا۔"

"میں وہاں تمہارے جاؤں گی۔ تم مطمئن رہو۔ لیکن مجھے روکنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔"

"یہاں اس مکان میں تو اب میں بھی محفوظ نہیں ہوں۔ نئے بھی کوئی نہ اچھا دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ پھر ہم ساتھ ہی کیوں نہ رہیں۔"

"نہیں....!" رشیدہ نے سخت لبھی میں کہا۔ "تمہیں میرا کہتا مانا ہی پڑے گا۔ تم نے مجھے جو تم سو روپے دیئے ہیں ان میں سے سو تم اپنے پاس رکھو۔ دو سو میں رکھوں گی۔"

"تم سب لے جاؤ۔"

"نہیں....!" رشیدہ نے کہا اور گن کر سو روپے اسے دیتے ہوئے بولی۔ "موڑ سائکل بھی

میں لے جاؤں گی۔"

انور خاموشی سے اسے گھورتا رہا۔ اس وقت رشیدہ اسے انتہائی پراسرار معلوم ہو رہی تھی۔

آج سے قبل اس نے اس کی آنکھوں میں اتنے پختے ارادوں کی جھلک نہیں دیکھی تھی۔

"میرے ساتھ نیچے جمک چلو۔" رشیدہ نے انور سے کہا۔

دونوں نیچے آئے۔ انور نے گیراج کھول کر موڑ سائکل نکالی۔ دوسرے لمحے میں رشیدہ اس کے پر بینہ پچکی تھی اور موڑ سائکل ویران سڑک پر فرائے بھر رہی تھی۔

انور پھر اپنے کمرے میں لوٹ آیا۔ ایک گھنٹے بعد جب وہ اپنے کمرے سے برآمد ہوا تو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی انور ہے جس کے چہرے کی جاذبیت نہ جانے کتنے دلوں میں گد گدیاں بیڈا کر دیا کرتی تھی۔ اس کے چہرے پر پڑی ہوئی مصنوعی پھنسیوں میں مرہم لگا ہوا تھا۔ منہ سے رال بہہ رہی تھی اور آنکھ اس طرح بنائی گئی تھی جیسے وہ کانا ہو۔ سہرے بالوں میں سیاہ رنگ کے خفاب نے تغیر آمیز گدلا پن پیدا کر دیا تھا جسم پر انتہائی کثیف اور بدبو دار کپڑے تھے۔ ہاتھ میں ایک بحمد اسازڈا اتحا۔

اور دوسری سچ کو وہ اسی بیت میں انپکڑ آصف کے گھر میں بیٹھا ہوا اس سے سرگوشیاں کر رہا تھا۔

"تم نے حق مجھ کمال کر دیا۔" آصف اسے تحریقی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "اتنا کامیاب بھیں میں نے آج جمک نہیں دیکھا۔"

"بس استاد کو دعا کیں دیتا ہوں۔" انور نہ کر بولا۔

"گون استاد....!" آصف نے پوچھا۔

"انپکڑ فریدی۔"

آصف نے نفترت سے ہونٹ سکوڑ لئے۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو شائد وہ انپکڑ فریدی کے نام پر گالیاں بکنا شروع کر دیتا۔ مگر اس وقت ٹھنڈی کائیکی تھاضا تھا کہ وہ خاموش رہے۔ وہ ان حالات میں انور سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بولا۔

"داراب کی شخصیت پولیس کے لئے انتہائی پراسرار ہے۔ ہم یہ بہوت کہاں سے بھیں پہنچائیں گے کہ وہی داراب ہے۔"

"میایہ کافی نہیں کہ تم اغوا شدہ کر علی کو اس کے قبٹے سے برآمد کرلو گے اور پھر اس کے بعد کے معاملات مجھ پر چھوڑ دو۔ میں سب تھیک کرلوں گا۔"

"تمہرے رات ہی کو مناسب ہو گا۔" "آصف بولا۔

"یہ سب سے بڑی حماقت ہو گی۔" انور شجید گی سے بولا۔ "دن میں ہم قصہ والوں کی بھی مدد حاصل کر سکیں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ داراب نئے نکلے۔ ورنہ پہلے سے بھی زیادہ خطرناک ہو جائے گا۔" آصف کچھ سوچنے لگا۔ انور پھر بولا۔ "اُنکے پاس اسلخ کا کافی ذخیرہ ہے اسکا خاص طور پر خیال رکھنا اور تجویزی والے ٹرانسپورٹ سے تو تم نے یہ اندازہ لگایا ہو گا کہ وہ گروہ کتنا منظم ہے۔" "آپ چھاتم یہیں تھہر دو۔" آصف نے کہا۔ "میں اس سلسلے میں آفسروں سے مشورہ لینا چاہتا ہوں۔"

"ضرور... لیکن بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ داراب کے آدمی یقیناً میری ٹلاش میں ہوں گے اور ہاں میری ایک تجویز اور بھی ہے کہ چھاپ مارنے والے والے سپاہی ورديوں میں نہیں ہوں گے۔ داراب بہت زیادہ محاذ ہو گیا ہے۔"

آصف تھوڑی دیر کھڑا اسچارا پھر کپڑے پہن کر باہر چلا گیا۔

انور ایک آرام کر کی پر لینا ہوا اطمینان سے سگریٹ کا دھوکا اڑا رہا تھا۔

انور یوں نبی لیئے لیئے مسکرا تاہرہ۔ دفتار اسے رشیدہ کا خیال آگیا۔ اس کے اس عجیب و غریب روئے پر اسے حیرت ہو رہی تھی آخر اس کی زندگی سے کونسا ایسا راز وابستہ ہے جسے وہ اس سے چھپا رہی ہے۔ داراب اسے قابو میں کر لینے کے بعد لاکھوں روپے کس طرح حاصل کر سکتا ہے۔ اسے رشیدہ اتنی پراسرار کبھی نظر نہ آئی تھی وہ اس وقت معلوم نہیں کہاں اور کس حال میں ہو گی۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ رشیدہ اسے اس راز کے متعلق کبھی کچھ نہ بتائے گی وہ اس کی صدی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس نے یہ بھی تو کہا تھا کہ داراب کو چھانسی کے تختے سے پہلے ہی مر جانا چاہئے۔ تو کیا وہ اس فکر میں ہے اگر ایسا ہے تو وہ ایک زبردست حماقت کرنے جا رہی ہے۔ وہ تھا اس کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔ انور انہیں سب خیالات میں ڈوبا ہوا آرام کر کی پر سو گیا۔

تقریباً بارہ بجے آصف نے آگر جگایا۔

"سارے انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔" آصف نے کہا۔ "وسرے آفسروں کی بھی بھی رائے ہے کہ چھاپ دن ہی میں مارا جائے۔" اس کے بعد وہ انتظامات کے متعلق بتانے لگا۔

تحوڑی دیر بعد کئی لاریاں اور دو تین جیپ کاریں شہباز پور کی طرف جا رہی تھیں۔ یہ سب گاڑیاں موپلٹی کی تھیں۔ ان پر مزدور بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ الوں چھاؤزوں اور دوسراے اوزاروں کا انبار تھا۔ ایسا معلوم ہوا تھا میسے وہ کہیں سڑک بنانے جا رہے ہوں۔ جیپ کاروں پر شائد محلہ تعمیرات کے آفسر تھے۔ ایک لاری پر انور بھی اپنے بدے ہوئے بھیں میں موجود تھا۔

شہباز پور پہنچ کر ان گاڑیوں نے شاہی سڑائے کو اپنے طلقے میں لے لیا۔ یہ ایک بہت پرانی عمارت تھی اور شاہی سڑائے کے نام سے مشہور تھی۔ ویسے درحقیقت یہ سڑائے نہیں تھی۔ مزدور اپنے ہاتھوں میں رائلیں لے کر اتنے لگے۔ لیکن شاید اس عمارت کے رہنے والے پہلے ہی سے ہوشیدار ہو گئے۔ قبل اس کے کہ کوئی عمارت کی طرف پیش قدی کرتا کھڑکیوں اور روشندانوں سے گولیوں کی بارش ہونے لگی۔ وہ ایک ساہی چلی ہی باڑ میں مارے گئے۔ آخر کار انہوں نے جلد از جلد لاریوں اور چیزوں کی آڑ لے لی اور ادھر سے بھی باڑھ ماری گئی۔ عمارت کا صدر دروازہ ابھی تک کھلا ہوا تھا۔ لیکن کسی کی آگے بڑھنے کی ہمت نہیں پڑھتی تھی۔ انور ایک لاری کے چیپے دبکا ہوا تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر کہیں یہ دروازہ بند ہو گیا تو پھر نہ جانے کب تک اسی طرح فضول کارتوں بر باد کئے جائیں گے۔ سارے قبے میں بلوج گیا تھا۔ لوگ دور ہی سے کھڑے شور پھاڑے تھے لیکن قریب آنے کی ہمت نہیں پڑھتی تھی۔ شاید ان کی سمجھ میں ہی نہ آیا ہو کہ یہکہ یہ کیا ہونے لگا۔ انور نے آؤ دیکھاں تاؤ جھٹ لاری کے اندر گھس کر اسے صدر دروازے تک ڈرائیکر لے گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ اچھل کر ڈیوڑھی میں پہنچ گیا۔ اس دوران میں کئی گولیاں لاری کی چھت توڑ کر اندر آئیں۔ انور دروازے پر ڈٹ گیا۔ وہ اوپر کی گولیوں سے محفوظ ہو گیا تھا۔ دفعتاً ڈیوڑھی میں دو آدمی دکھائی دیئے۔ انور نے روپا اور نکال کر انہیں وہیں ڈھیر کر دیا۔

”اکیلے اندر مت جاتا۔“ آصف چینا۔

”اُرے اسی لاری کی آڑ لے کر آگے کیوں نہیں بڑھتے۔“ انور دانت پیس کر بولا۔ ”اس کے نیچے سے پیٹ کے بل ریگ آؤ۔“

پولیس کے دس بارہ جوان لاری کے نیچے ریکھتے ہوئے دروازے کے قریب پہنچ گئے۔ ان میں آصف بھی تھا۔ باہر بدستور گولیاں چل رہی تھیں۔ انور وغیرہ اندر ہی جا رہے تھے کہ دفعتاً

جیپ کار اسٹارٹ ہوئی۔ انور چونک کر پلتا اور بے اختیار جی پڑا۔

"اُرے لو وہ دارب نکل گیا۔ یہ کم بخت اندر سے لکا کیسے۔" جیپ سڑک پر فرائے مجرمری تھی۔

"خہرو...!" آصف اسے روک کر بولا۔ "بد حواسی اچھی نہیں۔ اب یہاں سے ہٹنا موت کو دعوت دینا ہے۔ گولیوں کی زد میں آ جاؤ گے۔"

دفعتاً سڑک پر ایک موڑ سائیکل دکھائی دی جس پر ایک سکھ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ موڑ سائیکل اسی سمت میں جاری تھی جدھر دارب گیا تھا۔

"ہے... ہے سردار جی۔" انور زور سے چینا۔ "اوہ را ایک مجرم جیپ پر گیا ہے۔"

یہیں یہ اس کا ایک احتفانہ فعل تھا۔ موڑ سائیکل والے نے شاید سن بھی نہ ہو۔ کیونکہ وہ بھی کافی تیز رفتاری کے ساتھ جا رہا تھا۔ عجیب بے بسی کا عالم تھا۔ انور کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ دفعتاً وہ دیوانہ وار اندر گھس پڑا۔ اس کے چیچے آصف وغیرہ تھے۔ اندر انہیں بہت سخت بیک کرنی پڑی۔ یہاں بھی دو تین سپاہی زخمی ہو گئے تھے۔ اس سے باہر والوں کو بھی اندر گھننے کا موقع مل گیا۔ تھوڑی دیر کی جدو جدد کے بعد مجرموں نے اسلیے پھینک دیئے اور خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا۔

"آصف جلدی کر دشائد دارب مل لی جائے۔" انور دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

اور وہ دونوں مسلح سپاہیوں کی ساتھ ایک جیپ میں اسی سمت روانہ ہو گئے جدھر دارب گیا تھا۔ دو تین میل کی مسافت طے کرنے کے بعد انہیں گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دیں۔ کچھ دور چل کر وہی جیپ سڑک پر کھڑی دکھائی دی جس پر دارب فرار ہوا تھا۔ اس کے اندر سے فائز ہو رہے تھے اور دوسری طرف جہازیوں میں کوئی اس جیپ پر گولیاں بر سارہا تھا۔ دفعتاً ایک سچ سنائی دی اور دارب اچھل کر سڑک پر آ رہا۔ گولی اس کی پیشانی پر گلی تھی۔ اس کے گرتے ہی جہازیوں سے ایک موڑ سائیکل نکل کر سڑک پر آئی جس پر ایک سکھ بیٹھا ہوا تھا۔ پولیس افسروں نے پتوں نکال لئے اور انور چونک پڑا۔

"خبر دار موڑ سائیکل روک دو۔" آصف گرج کر بولا اور موڑ سائیکل رک گئی۔

"میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔" سکھ مسکرا کر بولا۔ "میں ان دس بزرار دیوبیں کا مستحق ہوں جو حکومت نے اسے زندہ یا مردہ گرفتار کرنے والے کے لئے وقف کئے تھے۔"

"بڑی سریلی آواز ہے سردار بھی تمہاری۔" انور مسکرا کر بولا۔

سکھ انور کو گھورنے لگا۔ خود انور نے آگے بڑھ کر اس کی ڈاڑھی نوچ ڈالی اور سر پر بندھی ہوئی پکڑی اتار کر ایک طرف ڈال دی۔

"ارے کون.... رشیدہ....!" آصف اچھل کر بولا۔

"مجی جتاب۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔ لیکن پھر فوراً یہ گھبرائے ہوئے لجھ میں پوچھنے لگی۔

"انور کہاں ہے؟"

وہ انور کو اس کریبہ بھیں میں پہچان نہ سکی تھی۔ انور جلدی سے داراب کی لاش کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کیوں آصف کیا یہ وہی شخص نہیں ہے۔" انور بھرائی ہوئی آواز میں بولا، جو پلازا میں ڈاڑھکن تھا اور جس کی لاش تھیں جلی ہوئی کار میں ملی تھی۔ اب آؤ اور قریب آ جاؤ۔ کر قتل جاوید اپنی جوانی کے زمانے میں بالکل ایسا ہی تھا۔ ذرا اس کی ڈاڑھی پر بھی زور آ زائی کرو۔ مگر اس سے کام نہ چلے گا۔ اس نے پلانٹ میک کر رکھا ہے۔"

انور نے جھک کر اس کی ڈاڑھی کے بال نکالنے شروع کئے۔ پھر چہرے پر متعدد جگہ چکے ہوئے پلانٹ کے گلزارے بھی نکالے اور وفتحاً تھیج کر اچھل پڑا۔

"ارے یہ تو صابر انجینئر ہے۔"

"آداب عرض....!" انور جھک کر بولا۔ "جو کچھ میں کہہ دیا کروں اسے پتھر کی لکیر سمجھا کرو۔ میں اسکے فریدی کا شاگرد ہوں۔" پھر وہ رشیدہ کی طرف متوجہ ہوا، جو حرمت سے آنکھیں چھاڑے کھڑی تھی۔

"کیوں رشوٹھیک ہے تا۔" انور اپنی صحیح آواز میں بولا اور رشیدہ اچھل پڑی۔

"ارے یہ تم ہو! گندے.... پیچھے....!" انور ہٹنے لگا۔

"اوہاں جتاب آصف صاحب کل جو غورت کار میں ایک پہ اسرار دھماکے سے زخمی ہوئی تھی اسے بھی حرست میں لے لیتا۔ اس کا تعلق بھی داراب کے گروہ سے ہے اور اس کے شوہر کو

بھی.... کیا سمجھے۔"

"وہ کیسے....!"

”اس کا شہوت میں فراہم کروں گا۔“ انور نے کہا۔ ”کرتل جاوید برآمد ہی ہو گیا ہے۔ اب کوئی خاص مسئلہ باقی نہیں رہا۔ تم ان سب کو لدواو۔۔۔ اور ہم لوگ چلے۔ اگر ہماری ضرورت پڑے تو کوتوالی میں بلوں سکتے ہو۔ ارباں کوئی گز بڑ۔۔۔ نہ ہونے پائے۔ دس ہزار والا انعام رشیدہ ہی کا حق ہے۔ اگر یہ اچانک بیج میر، نہ آکو دتی تو ہم داراب کی گرد کو بھی نہ پا سکتے۔“

”تموڑی دیر بعد وہ دونوں موڑ سائیکل پر شہر کی جانب واپس جا رہے تھے۔“

”تم نے اسے روکا کیسے۔“ انور نے پوچھا۔

”اتفاق۔۔۔ محض اتفاق۔۔۔ اچانک جیپ چلتے چلتے خراب ہو گئی تھی۔“

”رشو اگر مارڈاں جاتیں تو کیا ہوتا۔“ انور غم ناک لبکھ میں بولا۔

”تو تمہارا کیا گبڑتا۔“

”گبڑتا تو کچھ نہیں۔۔۔ مگر۔۔۔ رشو۔۔۔!“

”ہاں مگر کیا۔“

”کچھ نہیں۔۔۔!“

”کچھ نہیں۔۔۔ میں سمجھی شاید۔“

”چھوڑو بھی۔۔۔ رشو ڈار لنگ۔۔۔ مجھے بھوک راگ رہی ہے۔“

”جانور۔۔۔!“ رشیدہ نے ہونٹ سکو زکر کیا اور کچھ سوچنے لگی۔

ختم شد